(تاریخ کے آئینے میں)
غلام اکبر ملک

زیر نظر کتاب میں غلام اکبر ملک نے "راجپوت قوم" کی اصل پر بڑی دلچسپ اور قابل قدر بحث کی ہے۔ سب سے پہلے انہوں نے لفظ راجپوت کے ماخذ و معانی لسانی حوالوں کی مدد سے واضح کئے ہیں پھر انہوں نے راجپوت قوم کی ابتدائی تشکیل، ان کے معاشرتی حالات اور معاشرے میں ان کی ابتدائی طبقی حیثیت پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ قابل مصنف نے راجپوتوں کی نسلی حیثیت کو واضح کرنے میں بڑی دقت نظر اور گہرے تحقیقی شعور سے کام لیا ہے۔ انہوں نے "راجپوت قوم" کو نسل کے اعتبار سے تین بڑے گروہوں میں تقسیم کیا ہے۔ اور بڑی شرح و بسط کے ساتھ ثابت کیا ہے کہ ہمارے موجودہ پنجاب میں راجپوتوں کے جس نسلی گروہ کے باقیات راجپوت قوم کی ذیلی شاخوں کی صورت میں آباد ہیں ان کا تعلق اگنی کل راجپوتوں سے ہے۔ وہ بتاتے ہیں کہ اگنی کل راجپوتوں کا تعلق قدیم سیتھین اقوام کے اس نسلی گروہ سے ہے جسے قدیم ہندوستان کے اساطیر میں پانڈو کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔ پانڈووں کی عظیم لڑائی "مہا بھارت" قدیم آریائی کھتری قبیلے کورو سے ہوئی تھی جس میں پانڈووں کو فتح نصیب ہوئی تھی۔

قابل مصنف نے دلائل و براہین کی مدد سے یہ ثابت کیا ہے کہ کورو اور پانڈو، نسل کے اعتبار سے دو مختلف اقوام کے باشندے تھے۔ کورو قدیم آریائی نسل سے تعلق رکھتے تھے جبکہ پانڈو تورانی الاصل منگول اقوام کے ابناء و اخلاف تھے جنہیں مذہبی اعتبار سے کھتری طبقہ میں شامل کرلیا گیا تھا۔ راجپوتوں کی زیادہ معروف شاخوں کا تعلق اسی موخرالذکر نسلی گروہ سے ہے۔

زیر نظر کتاب اس حوالے سے بجا طور پر راجپوت قوم کے متعلق جدید تحقیق کی آئینہ دار ہے کہ اس میں قابل مصنف نے بعض جدید نظریات کو پیش کیا ہے۔ انہوں نے راجپوتوں کی ذیلی شاخوں کی تاریخ بھی بڑی وضاحت و صراحت کے ساتھ رقم کی ہے۔ اس طرح یہ کتاب ہمیں راجپوتوں کی مکمل و مربوط تاریخ فراہم کرتی ہے۔

حبیب اللہ صدیقی

سینئر نائب صدر بزم عرفان ادب

نام کتاب : راجپوت (تاریخ کے آئینے میں)

مصنف : غلام اکبر ملک

بار اول : نومبر ۱۹۹۶ء

تعداد : پانچ سو

ناشر : رضوانہ ملک

طابع : العقاب پبلی کیشنز جلیل سنٹر ۲۳۱ سرکلر روڈ
نزد چوک اردو بازار لاہور۔

سرورق : صبغۃ اللہ صدیقی

مطبع : تنویر اسد پرنٹرز — لاہور۔

قیمت : ۔/۱۵۰ (ایک سو پچاس روپے)

انتساب !

اس غیرت کے نام
جو اللہ تعالیٰ نے راجپوتوں کی
سرشت میں رکھی ہے'
اس امید کے ساتھ کہ اب
ملت اسلامیہ کے حق میں استعمال ہوگی۔

سلسلہ تاریخ اقوام و قبائل پاکستان کتاب نمبر ۳

راجپوت

(تاریخ کے آئینے میں)

از

غلام اکبر ملک

العقاب پبلی کیشنز جلیل سنٹر ۲۳۱۔ سرکلر روڈ نزد چوک اردو بازار لاہور

فہرست

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کتاب راجپوت آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ پاکستان میں آباد قوموں اور قبیلوں کی تاریخ لکھنے کا جو بیڑہ میں نے اٹھایا ہے یہ اس سلسلے کی تیسری کوشش ہے۔ اس سے پہلے جاٹوں کے علاوہ بھٹی اور بٹ قبائل کی تواریخ کتابی شکل میں شائع ہو چکی ہیں۔

بنیادی طور پر یہ تاریخ ان راجپوتوں کی ہے جو خصوصاً پنجاب میں آباد ہیں۔ پنجاب کا خطہ زمانہ قدیم سے ہی ہند پر حملہ آور ہونے والی قوموں کی گزرگاہ رہا ہے' لہٰذا اس خطہ میں بسنے والی قومیں اور قبیلے اپنے سروں پر کفن باندھ کر جیتے تھے۔ انہیں ہر لحہ اور ہر آن مغربی دروں سے وارد ہونے والے حملہ آوروں کے ہاتھوں تاراج ہونے کا خطرہ لاحق رہتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ یہاں بسنے والی قومیں بلا کی بہادر تھیں۔ مرنا اور مارنا گویا ان کا روز کا معمول تھا۔ اور پھر خصوصاً راجپوتوں کا تو مذہبی فریضہ ہی یہی تھا کہ وہ ہروقت جنگ کے لئے تیار رہیں اور جس وقت بھی مادر وطن کو ان کے خون کی ضرورت پڑے' بلا چون و چرا پیش کر دیں۔ راجپوت تو گویا پیدا ہی مرنے اور مارنے کے لئے ہوتا تھا۔ جانبازی کی جو مثالیں راجپوتوں نے تاریخ کے اوراق میں چھوڑی ہیں' کسی دوسری قوم کی تاریخ میں ان کی نظیر نہیں ملتی۔ شکست کی صورت میں بھی دشمن کے ہاتھوں قید ہونے پر یہ لوگ موت کو ترجیح دیتے تھے۔ متوقع شکست

کے پیش نظر میدان حرب و ضرب میں نقد جان کا نذرانہ پیش کرنے سے قبل یہ لوگ
اپنی آل اولاد اور مال و زر تک کو تلف کر دیتے تھے۔ اور ------ فتح کی صورت میں
دشمن کو ماسوائے ان کی راکھ اور خاک و خون میں غلطاں لاشوں کے کچھ ہاتھ نہیں آتا
تھا۔

یہ کتاب اسی راجپوت قوم کی جراءت و عزیمت کی داستان ہے۔

میں اس کتاب کی تیاری میں گرانقدر معاونت پر جناب حبیب اللہ صدیقی
مدیر ہفت روزہ العقاب کا تہہ دل سے ممنون ہوں۔

۲۹ نومبر ۱۹۹۵

غلام اکبر ملک

۵۷۱۔ اے فیصل ٹاؤن لاہور

لفظ "راجپوت" کا ماخذ و مفہوم

لفظ "راجپوت" دو الفاظ یعنی "راج" اور "پوت" کا مرکب ہے۔ "پوت" کا
مطلب ظاہر ہے بیٹا ہے جبکہ "راج" سنسکرت لفظ ہے جس کے معنی چمکیلی یا چمکنے والی
چیز کے ہیں۔ تاریخ ہند میں سب سے پہلے عوام نے یہ لقب آریائی کھشتریوں کو دیا۔
کھشتریوں کا پیشہ فوجی تھا اور اپنی علاقائی سرحدوں کی حفاظت کے علاوہ دیگر قوموں پر
حملہ کرنا' لوٹ مار کرنا اور حکمرانی کرنا انہیں کے فرائض میں شامل تھا۔ تاریخ فرشتہ کے
مطابق قدیم کھشتری جب دیگر ہم عصر اقوام پر حملے کرتے اور بے تحاشہ مال غنیمت
لوٹ کر لاتے تو وہ لوگ فخر و مباہات کے اظہار کے لئے خوبصورت و چمکیلے لباس پہنتے
تھے' اور مرصع ہتھیار زیب تن کر لیتے تھے۔ چنانچہ اسی بنا پر لوگوں نے انہیں "راجہ" یا
راج کا خطاب دیا۔ جس کا مطلب تھا چمکنے والے انسان۔ چنانچہ بعد میں انہیں راجاؤں
کی اولادیں راجپوت کہلائیں جس کا مطلب لامحالہ یہی ہوا کہ چمکنے والے انسانوں کے
بیٹے۔ بعد کے دور میں یہی لفظ راجہ' حکمران کے معنوں میں مستعمل ہوا۔ آج بھی لفظ
"راج" ہندی میں بعض اوقات چمکنے والا کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً عمارات
کو چمکانے یا ان کی تزئین و آرائش کرنے والے ماہر تعمیرات (میسن) کو ہم آج بھی
"راج" انہیں معنوں میں کہتے ہیں۔ ہندی میں "راجت" کا مطلب زینت دیا ہوا یا
مزین ہے۔[1]

"راج" کو انگریزی میں رے (RAY) جبکہ لاطینی زبان میں ریکس (REX) کہتے
ہیں۔ اردو زبان میں ہم اسے "روشنی" کہتے ہیں۔ یہ تمام ایک ہی قبیل کے الفاظ ہیں'
جن کی اصل "راج" ہے۔ راج سے راجہ یا راجا دراصل ہمارا مقامی تلفظ ہے۔ پاک و
ہند کی مقامی زبانوں میں عموماً ہر لفظ کے آخری حرف کے آگے آدھا "الف" یا آخری
حرف پر زبر لگانے کا رواج عام ہے۔

قدیم ترین راجپوت

قدیم ترین راجپوت آریائی کھشتری تھے

پہلے پہل جب آریاؤں نے پنجاب پر تسلط قائم کیا تو وہ لوگ مختلف چھوٹے چھوٹے خاندانوں میں بٹے ہوئے تھے۔ ہر خاندان کا ایک عمر رسیدہ بزرگ اس کا راہنما سمجھا جاتا تھا۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہر خاندان کے ایک بزرگ راہنما کو اس خاندان کے اندر راجہ کا درجہ حاصل ہوتا تھا۔ اس کے علاوہ ہر خاندان میں ایک پروہت یا مذہبی پیشوا بھی ہوتا تھا۔ جہاں راجہ کا کام تلوار کے ذریعے قبیلے کی حفاظت کرنا ہوتا تھا وہاں پروہت کا کام دعاؤں اور مناجات کے ذریعے دیوتاؤں کو خوش کرنا اور تمام خاندان کی مذہبی رسوم کی ادائیگی میں ان کی راہنمائی کرنا ہوتا تھا۔

ابتدا میں جب یہ لوگ پنجاب میں آباد ہوئے تو انہوں نے کوئی مستحکم حکومت قائم نہیں کی بلکہ ہر خاندان کی گویا اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ تھی۔ ان آریائی خاندانوں نے جو پہلے پہل یہاں بستیاں آباد کی تھیں وہ اپنی تمام ضرورتیں خود پوری کرتی تھیں۔ ہر بستی گویا الگ چھوٹی سی راجدھانی کا درجہ رکھتی تھی جو بیرونی اثر و تسلط سے آزاد و خود مختار تھی۔ اس دور کے آریائی خاندان ضروریات زندگی کی اشیاء یعنی کھانے پینے کا سامان' لباس اور دیگر اشیائے صرف جانوروں اور شکار سے حاصل کرلیتے تھے۔ اس زمانے میں جانوروں کی تعداد ہی دولت کا معیار ہوتی تھی۔ جس خاندان کے پاس جتنے زیادہ مویشی ہوتے تھے وہ اتنا ہی امیر سمجھا جاتا تھا۔ ہر بستی و خاندان میں ہر قسم کے دستکار مثلاً موچی' لوہار' سنار' درزی' حجام وغیرہ موجود ہوتے تھے جو قبیلے کے کام سرانجام دیتے تھے اور اس ابتدائی دور میں ان لوگوں کو معاشرے میں بڑا اہم مقام حاصل تھا۔ آج کی طرح کمی کمین نہیں کہلاتے تھے۔ اس دور میں اس خطہ زمین پر آبادی کا تناسب بے حد کم تھا اور خدا کی زمین عام تھی۔ یہاں کے جنگلات' زرعی زمینیں' شکار گاہیں اور چراگاہیں ان آریائی خاندانوں کی کفالت کے لئے کافی تھیں۔ اس کے بعد آہستہ آہستہ بے شمار خاندانوں میں منقسم و منتشر آریائی قبائل کی آبادی بڑھنا شروع ہوگئی۔ جو چھوٹے چھوٹے قصبے انہوں نے آباد کیے تھے وہ شہروں میں تبدیل ہونے لگے اور چھوٹے چھوٹے خاندان قبیلوں کی صورت اختیار کرنے

لگے ان کی غذائی ضروریات بھی اسی تناسب سے بڑھنے لگیں۔ اب ان آریاؤں میں باہم جنگ و جدال اور لوٹ مار کا رواج شروع ہوا۔ اپنے قبیلے یا خاندان کی کفالت کے لئے یہ لوگ ایک دوسرے پر چڑھ دوڑتے تھے اور طاقتور قبائل کمزور قبائل کے مویشی وغیرہ لوٹ لاتے تھے۔ یوں رفتہ رفتہ دفاعی ضروریات بھی بڑھنی شروع ہو گئیں اور ان لوگوں نے اپنے گاؤں، شہر اور قصبے دشوار گزار راستوں پر مشتمل پہاڑی علاقوں میں بنانے شروع کر دیئے۔ قلعے بنانے کا رواج بھی غالباً اسی دور میں شروع ہوا۔

یوں لگتا ہے کہ ذات پات کا رواج آریاؤں میں اس خطے میں داخل ہونے سے پہلے بھی موجود تھا۔ تاہم یہ لوگ صرف تین ذاتوں یعنی برہمن، کھتری اور ویش پر مشتمل و منقسم ہوتے تھے۔ چوتھی ذات یعنی شودر اسی علاقے میں وجود پذیر ہوئی جو یہاں کے مفتوح سیاہ فام لوگوں پر مشتمل تھی۔

ابتداً ان خاندانوں یا قبیلوں کا سربراہ یا راجہ کسی اہم مقام و مرتبہ کا حامل نہیں سمجھا جاتا تھا۔ بس ایک بزرگ ہونے کی بناء پر یا خاندان کا باپ ہونے کے ناطے اس کی عزت و تکریم کی جاتی تھی۔ لیکن جب ان لوگوں کے مابین خانہ جنگی نے رواج پایا تو رفتہ رفتہ راجہ کی اہمیت بڑھتی گئی۔ حتیٰ کہ راجہ کا عہدہ موروثی بن گیا اور اسکی نسلوں میں پشت در پشت چلنے لگا۔ اب اس خطہ میں قدم قدم پر مختلف راجدھانیاں بن گئیں۔ ایک دوسرے کے قریب آباد خاندانوں نے مصلحت کے تحت باہم دفاعی معاہدہ کر لیا اور اپنا ایک راجہ چن لیا جو بیرونی حملہ کی صورت میں ان کے دفاعی امور کا نگران ہوتا تھا۔

اس زمانے میں دستکاروں اور کاشتکاروں کو بے حد اہمیت حاصل تھی لہٰذا ان لوگوں کے جنگ میں حصہ لینے پر پابندی عائد کر دی گئی تاکہ انسانوں کی یہ جنس گراں مایہ، کمیاب نہ ہو۔ اس وجہ سے غالباً آریاؤں کے ذات پات پر مشتمل نظام میں پختگی آتی گئی۔ جنگجو نوجوانوں کو جہاں دیگر پیشے اختیار کرنے کی اجازت نہ تھی وہاں اہل پیشہ کو جنگ کی بھٹی میں وہ لوگ نہیں جھونکتے تھے۔ اگر ہم یہ کہیں کہ ذات پات کے نظام پر عمل در آمد آریاؤں کی مجبوری تھی تو بے جا ہرگز نہ ہوگا۔ تصور کیجئے کہ ایک ایسے گاؤں میں جہاں لوگوں کی ضروریات زندگی پورا کرنے کے لئے حجاموں، لوہاروں،

درزیوں، موچیوں، اور دیگر دستکاروں کا محض ایک ایک خاندان ہی آباد ہو اور وہ بھی جنگ کی بھینٹ چڑھ جائے تو وہاں کے مکین ان لوگوں سے متعلق اپنی ضروریات کیسے پوری کریں گے؟ گویا انہی حالات کے پیش نظر ذات پات کے نظام کو یہاں استحکام ملا۔ پیشے وراثت کی شکل اختیار کر گئے، برہمن کی اولادیں برہمن بنیں، راجاؤں کی اولادیں راجہ یا راجپوت کہلائیں اور دستکاروں کی اولادیں پشت در پشت دستکار ہی رہیں۔ اور یہ سلسلہ ایک حد تک ہمارے دیہی علاقوں میں آج بھی جاری و ساری ہے۔ گویا آریائی دور میں صرف کھشتری ہی عسکری پیشہ اور حکمران گروپ تھا اور، اسی کھشتری گروپ کے حکمرانوں کی اولادیں بعد میں راجپوت کہلائیں۔

آریہ ــ ذات پات کا نظام

آریاؤں کا ذات پات کا نظام

کئی ماہرین کا خیال ہے کہ آریاؤں کو ہند پر قبضہ کرلینے کے بعد ذات پات کا نظام قائم کرنے کا خیال اس وجہ سے آیا کہ کہیں وہ یہاں کے قدیم ہندی الاصل سیاہ فاموں میں مخلوط نہ ہوجائیں۔ چنانچہ اپنی سفید فام نسل کو سیاہ فام نسل کے اختلاط سے بچانے کے لئے انہوں نے ذاتوں کی تقسیم کی اور یہ نظام وضع کیا۔

لیکن ہمارے نزدیک یہ محض ایک مفروضہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ذات پات کا نظام دنیا کی تقریباً تمام قوموں میں مروج رہا ہے۔ یہ الگ بات کہ کسی قوم میں ذات پات کو صرف شناخت اور الگ تشخص کا ذریعہ سمجھا گیا اور کسی قوم میں اسے باہمی تفاخر کا ذریعہ گردانا گیا۔ خصوصاً آریاؤں کا ذات پات کا نظام اس وجہ سے زیادہ مشہور ہوا کہ اسے مذہبی تقدس کا درجہ حاصل تھا۔ ورنہ ہم دیکھتے ہیں کہ ذات پات کا یہی نظام یونان و روم میں بھی مروج رہا ہے۔ ایران میں بھی اسی نظام کے شواہد ملتے ہیں۔ ہمارے نزدیک ذات پات کا نظام ان تمام تر آریائی قبائل میں مروج رہا ہے جہاں مادری نظام حیات کے برعکس پدری نظام حیات رائج تھا اور اولاد ماں کے بجائے باپ کے نام سے پہچانی جاتی تھی۔ ہمارے خیال میں آریا قوم نے ذات پات پر مشتمل نظام محض اپنے آپ کو قدیم سیاہ فام ہندی لوگوں سے مخلوط ہونے سے بچانے کے لئے وضع نہیں کیا تھا بلکہ وہ یہ نظام ایران سے اپنے ساتھ لائے تھے۔ گویا ہند میں وارد ہونے سے پہلے بھی ان میں اس قسم کا نظام رائج تھا۔ وسطی ایران میں کیومرث کی حکمرانی سے پہلے ایک بادشاہ نے یہ نظام ان میں رائج کیا تھا۔ اس روایت کو سید محمد لطیف نے سرجونز کے حوالے سے مندرجہ ذیل الفاظ میں نقل کیا ہے۔

"ایران میں کیومرث کی حکمرانی سے قبل ایک طاقتور بادشاہت قائم ہوگئی تھی۔ مہابت یا مہابلی (شاہی) خاندان کہلاتا تھا۔ اس نے ایرانی بادشاہت کو معراج پر پہنچا دیا تھا۔ ایرانی جو ہوشنگ کے مذہب کا دعویٰ کرتے ہیں اور اسے زرتشت سے ممیز کرتے ہیں وہ اس بات کو ثابت کرتے ہیں کہ ایران اور پوری دنیا کا پہلا حکمران مہا آباد (ایک

سنسکرت لفظ) تھا۔ اور اس نے لوگوں کو چار ترتیبوں میں منقسم کیا تھا جو یوں تھیں 2۔

(۱) مذہبی (۲) عسکری

(۳) تجارتی (۴) غلامی یا چاکری

سید محمد لطیف کے مطابق سر ولیم جونز اپنے اس یقین کامل کا بھی اظہار کرتے ہیں کہ کیومرث کی حکومت سے قبل جسے پارسی پہلا انسان خیال کرتے ہیں' ایران میں برہمنوں (ہندی آریائی برہمن) کا مذہب پھیل چکا تھا۔ ہندی آریائی قوم کی اصل ایران سے بلاشبہ ہوسکتی ہے۔ اس بات کی شہادت قدیم پارسیوں کے ان ناموں سے بھی ملتی ہے جو سنسکرت زبان میں ہیں۔ فارسی کی مشہور قدیم مذہبی کتاب اوستا اور آریاؤں کی زبان سنسکرت میں بھی بے حد گہری مماثلت پائی جاتی ہے جو اس امر کی دلیل ہے کہ آریاؤں کا تعلق نہ صرف سرزمین ایران سے رہا ہے بلکہ وہ ہند پر حملہ سے قبل کئی صدیوں تک وہاں آباد رہے ہیں۔ اس ضمن میں تاریخ تمدن ہند کے مصنف محمد طیب لکھتے ہیں کہ!

"قدیم ایرانیوں اور ہندوستانی آریاؤں کا نسبی اور مذہبی تعلق ثابت ہے اور اس کے علاوہ ہندوستان کی ایران سے تجارت بھی ہوا کرتی تھی۔ ہمیں چھوٹی چھوٹی باتوں میں ایرانی اثرات تلاش کرنے کی بجائے اس بڑی بات کو پوری اہمیت دینا چاہئے کہ ہخامنشیوں نے ایک عظیم الشان سلطنت قائم کی تھی اور اس کی شہرت ہندوستان میں ضرور ہوئی ہوگی۔ ڈاکٹر سپونر کی رائے میں مہابھارت اور وانوون کے عالی شان محلوں اور ان کے دیس کی طلسماتی فضا کا جو نقشہ کھینچا گیا ہے وہ ایران اور ایرانی شہنشاہ کے محلوں کا عکس ہے" 3۔

اس ضمن میں ایک اثری شہادت بھی ملتی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ ایران میں تخت جمشید کے کھنڈرات سے دریافت شدہ عبارت اور رسم الخط قدیم ہندوستانی مخطوطوں اور

خصوصاً فیروز شاہ کی (دہلی کی لاٹھ والی) عبارت سے مماثلت رکھتے ہیں۔
چنانچہ یہ عین ممکن ہے کہ آریا ہند میں وارد ہونے سے قبل ذات پات کا نظام ایران سے اپنے ساتھ لائے ہوں۔ بہر کیف ہندوستان میں آریاؤں نے حسب ذیل نظام متعارف کرایا۔ اور لوگوں کو ان چار ذاتوں میں تقسیم کیا۔

ا۔ برہمن (مذہبی گروپ)

آریاؤں کے عقیدے کے مطابق برہمن کو پرش یا خدا نے اپنے منہ سے پیدا کیا۔ پرش یا خدا کے منہ سے پیدا ہونے کا مطلب صاف واضح ہے کہ برہمن لوگ گویا خدا کی زبان ہیں۔ اور ان کی زبان سے نکلا ہوا ہر لفظ باقی تمام انسانوں کے لئے حکم کا درجہ رکھتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں برہمن خود نہیں بولتا بلکہ اس کی زبان سے خدا انسانوں سے خود ہمکلام ہوتا ہے۔ اس مذہبی فلسفہ کے پیش نظر برہمن کے لئے ویدوں کی تعلیم کا جاننا لازمی قرار دیا گیا تھا۔ دوسری تمام ذاتوں پر برہمنوں کو بہت بڑا تفوق و تقدس حاصل تھا۔ یہ لوگ گویا انسان نہ تھے بلکہ دیوتا تھے' جیسا کہ منو لکھتے ہیں کہ 4۔

(ا) برہمن کی پیدائش گویا شاستر کا جنم لینا ہے۔ اس کا کام شاستر کی حفاظت کرنا اور (دنیا میں) شاستر پھیلانا ہے۔

(ب) برہمن' برہما کی نشانی ہے۔ جب کوئی برہمن پیدا ہوتا ہے تو وہ دنیا کی اعلیٰ ترین مخلوق ہوتا ہے۔

(ج) برہمن کو اگر ضرورت ہو تو وہ اپنے غلام شودر کے مال پر زبردستی قابض ہوسکتا ہے اور یہ اس کے لئے گناہ نہیں ہے۔

(د) جس برہمن کو وید یاد ہو وہ بالکل گناہ سے پاک ہے اگرچہ وہ تینوں جہانوں کا ستیاناس کرے۔

(ہ) بادشاہ کو کیسی سخت ضرورت درپیش کیوں نہ ہو چاہے وہ مرتا بھی ہو' اسے برہمنوں سے محصول نہیں لینا چاہئے اور نہ ہی اپنے ملک کے کسی برہمن کو بھوک سے مرنے دینا چاہئے۔

(و) اگر برہمن کوئی ایسا جرم کرے جس کی سزا موت ہو تو سزائے موت کے بجائے برہمن کا صرف سر مونڈا جائے گا۔

(ز) بادشاہ یا راجہ کو چاہئے کہ کسی بھی صورت میں برہمن کو قتل نہ کرے چاہے اس نے کتنا ہی بڑا جرم کیوں نہ کیا ہو۔

(ح) اگر برہمن نے کوئی بہت ہی بڑا جرم کیا ہو تو راجہ یا بادشاہ اسے اس کے مال و دولت سمیت صرف ملک بدر کر سکتا ہے۔

متذکرہ بالا احکامات سے اندازہ ہوتا ہے کہ برہمن راجہ اور پرجا دونوں کے لئے گویا آسمانی تحفہ تھے۔ ان کے کسی بھی جرم پر کوئی گرفت نہ ہو سکتی تھی۔ وہ کسی حد تک ریاستی قوانین سے بے نیاز و بالا تھے اور انہیں کافی حد تک قانونی تحفظ حاصل تھا۔ راجہ یا بادشاہ کے لئے یہ بھی لازمی تھا کہ وہ برہمنوں کو اپنا مشیر رکھے اور ریاست کا کوئی بھی بڑا کام برہمن کی مشاورت کے بغیر انجام نہ دے۔ اس لحاظ سے برہمن گویا سلطنت کے تمام کاموں میں دخیل تھے۔ ہر معاملے میں ان کا حکم حرف آخر سمجھا جاتا تھا۔

البیرونی نے کتاب الہند میں سفید رنگ کو برہمن کی علامت قرار دیا ہے 5۔

سفید و بے داغ لباس کو مسلمانوں، عیسائیوں اور یہودیوں میں بھی ملکوتی تقدس کا درجہ حاصل رہا ہے۔ اور ان اقوام کے روحانی پیشوا بھی عموماً سفید لباس پہنتے تھے۔ علاوہ ازیں دنیا کی تقریباً تمام قوموں میں سفید رنگ کو صلح اور امن و آشتی کی علامت سمجھا جاتا رہا ہے۔ اگر دوران جنگ کسی فریق کی جانب سے سفید پرچم بلند کیا جاتا تھا تو اس کا مطلب لامحالہ یہی سمجھا جاتا تھا کہ وہ فریق صلح کی پیشکش کر رہا ہے، جنگ کے خاتمہ کا اعلان کر رہا ہے یا اپنی شکست تسلیم کر رہا ہے۔ آج بھی ڈاکٹری یا نرسنگ کے پیشہ سے وابستہ خواتین و حضرات سفید لباس زیب تن کرتے ہیں۔ سفید رنگ گویا ابتدائے انسانی سے اب تک دنیا کی تمام قوموں کے نزدیک صلح کی علامت اور جنگ کا متضاد سمجھا جاتا رہا ہے۔ دنیا کے تمام مذاہب کا بنیادی نعرہ بھی چونکہ انسانیت کی فلاح تھا لہٰذا ان کے دینی

و روحانی راہنما عموماً سفید لباس زیب تن کرتے تھے۔ ہندو دھرم نے برہمن پر مندرجہ ذیل تین فرائض عائد کئے ہیں 6 :-

نمبر ۱ بیدوں (ویدوں) کے علوم خود حاصل کرنا اور دوسروں کو پڑھانا۔

نمبر ۲ خود جگ (دیوتاؤں کے لئے نقد و جنس کی قربانی) کرنا اور دوسروں کو جگ پر آمادہ کرنا۔

نمبر ۳ خود خیرات دینا اور دوسروں سے خیرات وصول کرنا یا انہیں خیرات دینے پر آمادہ کرنا۔

برہمن ذات میں خالصتاً آریہ لوگ شامل تھے اور یہاں کی مقامی یا بعد کی حملہ آور اقوام میں سے کوئی قوم بھی برہمن ذات میں شامل نہیں کی گئی تھی گویا برہمن خالصتاً آریہ قوم سے تھے۔ جہاں کوئی دوسری قوم کا شخص برہمن قوم میں شادی نہیں کر سکتا تھا وہاں برہمن بھی کسی دوسری یا غیر آریائی قوم میں شادی بیاہ نہیں کر سکتے تھے۔ اس ضمن میں منو کا ایک نہایت سخت قانون موجود ہے جو یہ ہے:- 7

"جو برہمن، شودر (غیر آریائی) عورت کو ہم بستر کرتا ہے وہ مرنے کے بعد دوزخ میں جائے گا اور اگر اس کے کوئی اولاد پیدا ہو تو برہمن اپنی ذات سے خارج ہو جاتا ہے۔

کھتری یا کشتری (عسکری گروپ)

انسانوں پر تفوق و برتری کے لحاظ سے برہمن ذات کے بعد دوسرا درجہ کھتری ذات کو دیا گیا ہے۔ لیکن برہمن ذات اور کھتری ذات کے درمیان زمین و آسمان کا فرق رکھا گیا ہے۔ اگرچہ یہ دونوں ذاتیں یعنی بھمن (برہمن) و کھتری ہندو دھرم کی رو سے باہم لازم و ملزوم تھیں لیکن اس کے باوجود ان کے مابین درجہ کے اعتبار سے بہت زیادہ فرق تھا منو لکھتے ہیں کہ:- 8

"دس سال کی عمر کا برہمن اور سو سال کی عمر کا چھتری (کھتری)

گویا باہم باپ اور بیٹے کا رشتہ رکھتے ہیں لیکن ان میں سے باپ برہمن ہے"۔

مذہبی اعتبار سے چھتری (کھتری) کی مندرجہ ذیل ڈیوٹیاں لگائی گئی ہیں:۔ 9

نمبر1 حکومت و بادشاہی کے انتظام کے ذریعے اور ہتھیاروں کی تربیت حاصل کر کے خلق خدا کی حفاظت کرے۔

نمبر2 خدا کی راہ میں قربانیاں دے۔

نمبر3 خدا کی راہ میں چڑھاوے چڑھائے۔

نمبر4 ویدوں کا علم حاصل کرے۔

نمبر5 شہوات نفسانی (گناہوں) سے دور رہے۔

ہندو دھرم کی رو سے چھتری کو خدا نے اپنے بازو سے پیدا کیا چنانچہ چھتریوں کو فوجی مشاغل کے علاوہ کسی دوسرے پیشہ کو اختیار کرنے کی ہرگز اجازت نہ تھی۔ امن کے زمانہ میں بھی ان کے لئے حکم تھا کہ وہ اپنے آپ کو ہر وقت جنگ کے لئے تیار رکھیں۔ اور ضرورت پڑتے ہی دشمن پر چڑھ دوڑیں۔ رعایا کی حفاظت کرنا ان کے فرائض اولین میں شامل تھا۔ ان کے زیر سایہ تیسری ذات یعنی ویش سے تعلق رکھنے والے لوگ بلا خوف و خطر زراعت و کاشتکاری کے کاموں میں مصروف رہتے تھے۔ علیٰ ہذا القیاس عسکری تربیت چھتریوں کا خالصتاً مذہبی فریضہ تھا۔ علاوہ ازیں راج پاٹ بھی اسی طبقہ کی ذمہ داری تھی۔ رعایا کو اپنے مذہبی قانون کے مطابق انصاف مہیا کرنا، اسے اس کے تمام حقوق دینا اور ذات کے مطابق ان سے فرائض ادا کروانا انہی کی ذمہ داری تھی۔ منو شاستر میں بادشاہ یا راجہ کو بھی تقریباً خدا ہی کا درجہ دیا گیا ہے۔ لکھا ہے کہ:۔ 10

"بادشاہ اگر طفل نابالغ بھی ہو تو اسے یہ خیال کر کے کہ یہ بھی ایک انسان ہے، حقارت سے نہیں دیکھنا چاہئے۔ بادشاہ واقعی انسان کی شکل میں خدا ہے۔"

البیرونی نے کتاب الہند میں سرخ رنگ کو کھتریوں کا نشان بتایا ہے 11 ۔ جو

جنگ اور خطرے کی علامت کے طور پر آج کل بھی مستعمل ہے۔ تقریباً دنیا کی تمام قوموں میں سرخ رنگ کو خطرے کی علامت سمجھا جاتا ہے۔

عسکری پیشہ اور جنگی تربیت نے آریاؤں کے اس گروہ یعنی چھتریوں کو بلا کا بہادر بنا دیا تھا۔ اپنی رعایا کی حفاظت، ملکی سرحدوں کی نگرانی اور دشمن کو تاخت و تاراج کرنے کے لئے اپنی جان پر کھیل جانا ان کا معمول تھا اور اس ضمن میں زندگی یا موت ان کے نزدیک کوئی معنی نہیں رکھتے تھے۔

کھتری ابتداء میں صرف آریہ قوم کے لوگ تھے۔ کسی اور قوم کو اس ذات میں قطعاً شامل نہیں کیا گیا تھا۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ ابتداء میں برہمن اور کھتری دونوں ذاتوں میں خالصتاً آریائی نسل کے لوگ شامل ہوا کرتے تھے تاہم بعد میں بہ امر مجبوری کھتری ذات میں دیگر اقوام کے لوگ بھی شامل کیے گئے۔ اس موضوع پر ہم آئندہ کسی باب میں مفصل بحث کریں گے۔

آریائی چھتری ماسوائے سپہ گری کے کسی اور پیشہ کو اپنی توہین سمجھتے تھے۔ گویا انہیں ماسوائے لڑنے کے کسی اور کام کے کرنے کی اجازت نہیں تھی۔ یونانی مورخ میگستھینز پاٹلی پتر کے میدان جنگ کی تفصیلات بتاتے ہوئے آریائی کھتریوں پر مشتمل فوج کا حال قلمبند کرتے ہوئے لکھتا ہے:۔ 12

"اس فوجی پڑاؤ میں چار لاکھ کے لگ بھگ (کھتری) سپاہی تھے جو اپنا سارا وقت جنگی تعلیم حاصل کرنے، جوا کھیلنے، سونے اور شراب پینے میں صرف کرتے تھے۔ وقتاً فوقتاً (کھتری) بادشاہ بھی ان کا جائزہ لیتا تھا"۔

میگستھینز آریائی کھتریوں کی دیانت داری اور حسن انتظام کی مزید تعریف ان الفاظ میں کرتا ہے:۔ 13

"ان چار لاکھ سپاہیوں میں سے جو ایک جگہ پر اکٹھے رہتے تھے کبھی کسی نے شکایت نہیں کی کہ کسی دوسرے نے اس کی کوئی چیز لی ہو"

جنگ کی صورت میں طبل جنگ بجتے ہی آناً فاناً ساری فوج جمع ہوجایا کرتی تھی۔ ان کھتری فوجیوں کو کسی بھی قسم کا سامان جنگ بشمول گھوڑا' رتھ یا دیگر عسکری ہتھیار تلاش نہ کرنے پڑتے تھے بلکہ یہ بادشاہ کے فرائض میں شامل تھا کہ ان کی عسکری ضروریات مہیا کرے۔ آریائی کھتریوں میں تمام تر بہادرانہ اور مردانہ صفات موجود تھیں۔ وہ شکست خوردہ دشمن پر' عورتوں پر' بچوں پر یا پناہ حاصل کرنے والے دشمن پر کبھی وار نہیں کرتے تھے۔ اور جنگ میں یہ رواداری ان لوگوں کی شجاعانہ عظمت کی روشن دلیل ہے۔

۳۔ ویش (تجارتی گروہ)

جو لوگ زراعت پیشہ تھے یا دستکاری' صنعت اور تجارت کے پیشوں سے وابستہ تھے انہیں آریاؤں نے ویش کا درجہ دیا۔ ویش ذات میں آریاؤں نے ان لوگوں کو شامل کیا جو آریہ حملہ سے قبل ہند میں رہتے تھے۔ اور جنکا پیشہ زراعت و کاشتکاری اور صنعت و حرفت تھا۔ ان لوگوں کی آریاؤں نے بے حد قدر کی اور ان کے لئے جنگ ممنوع قرار دے دی گئی تاکہ ملک و قوم کے لئے سونا پیدا کرنے والے یا ملک و قوم کی اقتصادی حالت سنوارنے والے ان لوگوں کو کسی بھی قسم کا جانی نقصان نہ پہنچنے پائے۔ آریائی مذہب کی رو سے ویش قوم کے لوگوں کو خدا نے اپنی رانوں سے پیدا کیا تاکہ وہ دوسروں کے لئے کھانے پینے (رزق) کا سامان پیدا کریں۔ ویش کے لئے منوشاستر نے مندرجہ ذیل قوانین وضع کیے اور ان کے فرائض میں شامل کیے" 14۔

نمبر۱ ویش کو اس نے (خدا نے) یہ حکم دیا کہ دان دے' چڑھاوے چڑھائے' تجارت' لین دین اور زراعت کرے۔

نمبر۲ ویش کو چاہیے کہ زنار بندی اور اپنی ذات میں شادی کرنے کے بعد کاروبار میں مصروف ہوجائے اور مویشی کی نگہداشت کرے۔

نمبر۳ اسے چاہیے کہ بیج بونے کے طریقوں سے واقف ہو' اچھی و بری زمین کو پہچانے اور اوزان و پیمانوں کو پوری طرح جانے۔

نمبر۴ اسے مزدوروں کے نرخ سے واقف ہونا چاہیے اور مختلف

زبانیں جاننی چاہیں اور مختلف قسم کے مال کی حفاظت اور اس کی خریدو فروخت سے واقف ہونا چاہیے۔

عموماً یہ خیال کیا جاتا ہے کہ ویش طبقہ کے لوگ بھی برہمن اور کھتریوں کی طرح آریہ تھے۔ لیکن ہمارے خیال میں ویش طبقہ میں آریہ اور غیر آریہ دونوں اقوام شامل تھیں۔ ان دونوں کی تقسیم حسب ذیل تھی۔

نمبر۱ ویشوں کا تجارت پیشہ و صنعتکار گروپ

ویش ذات کے جو لوگ تجارت پیشہ اور صنعتکار تھے ان میں بلاشبہ آریہ قوم کے لوگ بھی شامل ہوں گے۔ آریاؤں کے علاوہ اس ذات میں وہ تورانی الاصل لوگ بھی شامل تھے جو آریائی حملہ سے پہلے یہاں موجود تھے۔ یاد رہے کہ آریاؤں کے حملہ سے پہلے ہند میں دو نسلوں کے لوگ رہتے تھے۔ پہلی نسل سیاہ فاموں کی تھی جو بلاشبہ ہند کی قدیم ترین قوم تھی۔ دوسری نسل زرد فام تورانیوں کی تھی جو دو اڑھائی ہزار سال قبل مسیح میں ہند میں وارد ہوئے تھے۔ اگرچہ آریاؤں کے حملہ سے پہلے یہ تورانی الاصل زرد فام لوگ مقامی سیاہ فام باشندوں میں مخلوط ہوچکے تھے تاہم اسکے باوجود تورانی خون کی آمیزش ان میں نمایاں تھی۔

نمبر۲ ویشوں کا زراعت پیشہ و کسان طبقہ

ویشوں کا یہ گروپ خالصتاً تورانی الاصل زرد فام لوگوں پر مشتمل تھا۔ اس میں آریہ گروپ کے لوگ قطعاً شامل نہیں تھے۔ اس لئے کہ ہند پر حملہ کے وقت آریہ زراعت و کھیتی باڑی سے قطعاً ناآشنا تھے اور صرف گلہ

پانی پر ان کی معیشت کا دارومدار تھا۔ تورانی الاصل زرد فام لوگ فن زراعت میں ماہر تھے اور زراعت کو بہت زیادہ ترقی دے چکے تھے چنانچہ جب آریاؤں نے ہندوستان کے انسانوں کو چار گروہوں یا ذاتوں میں تقسیم کیا تو اس زرد فام' زراعت میں ماہر قوم کو زمرہ ویشاں میں شامل کیاہماری موجودہ جاٹ برادری میں سے کئی قبائل انہی لوگوں کے باقیات ہیں۔

البیرونی نے کتاب الھند میں بیش یا ویش ذات کا رنگ زرد لکھا ہے 15 ۔ یعنی اس ذات کا امتیازی نشان زرد رنگ تھا جو ظاہر ہے ان کے زرد فام تورانی الاصل یا منگول ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ ہندو مذہب میں ویش ذات کے مشاغل معتدل درجہ کے تھے۔ تاہم شودروں کی طرح یہ لوگ غلام ہرگز نہیں تھے۔ ان کا اپنا گھر بار ہوا کرتا تھا اور انکے اپنے خاندانوں کے سردار بھی ہوتے تھے۔ حقوق ملکیت بھی انہیں حاصل تھے۔

شودر

آریائی برہمنی مذہب کی رو سے شودر کو پرش کے پاؤں سے پیدا کیا گیا۔ اسی وجہ سے شودر ذات کے لوگوں کو بے حد ذلیل سمجھا جاتا تھا اور ان کا پیشہ محض غلامی و مزدوری تھا۔ اس ذات کو ہندو مذہب میں انسانیت کا درجہ ہرگز حاصل نہ تھا اور یہ قوم تمام تر انسانی حقوق سے محروم تھی۔ ان کی ذلت و پستی کے احکامات منو نے مندرجہ ذیل پیرائے میں وضع کیے ہیں 16 ۔

نمبر۱ شودر کا اعلیٰ ترین فرض ہے کہ وہ مقدس برہمنوں کی خدمت کرے اور یہی اس کی گویا تجارت ہے۔

نمبر۲ برہمن کی خدمت کرنا شودر کے لئے نہایت قابل تعریف ہے اور اس سے زیادہ اسے کسی اور کام میں اجر نہیں مل سکتا۔

نمبر۳ شودر کو اگر موقع مل بھی جائے تو اسے روا نہیں

ہے کہ وہ مال و دولت جمع کرے' کیونکہ شودر دولت جمع کرکے برہمنوں کو دکھ دیتا ہے۔

نمبر۴ اگر شودر کسی دوسری قوم کے فرد پر ہاتھ یا لکڑی (ڈنڈا) اٹھائے تو اس کا ہاتھ کاٹ ڈالا جائے اور اگر غصے میں کسی کو لات مارے اس کا پیر کاٹ ڈالا جائے۔

نمبر۵ اگر شودر کسی دوسری (برتر) قوم کے آدمی کے ساتھ برابر ایک ہی جگہ بیٹھتا ہے تو بادشاہ کو چاہئے کہ اس کے سرین کو داغوا دے اور ملک بدر کردے یا اس کے سرین کو زخمی کرادے۔

نمبر۶ اگر شودر کسی دوسری ذات کا نام بے حرمتی سے لے تو ایک لوہے کی کیل دس انگل لمبی آگ میں سرخ کرکے اس کے منہ میں ڈالی جائے گی۔

شودر کے متعلق منوشاستر کے اس قسم کے وحشیانہ قوانین پڑھ کر روح انسانیت کانپ اٹھتی ہے۔ یہ لوگ صدیوں تک آریاؤں کی مشق ستم کا تختہ بنے رہے ہیں۔ اور غلامی کی حالت میں ان کی سینکڑوں نسلیں مرکھپ گئیں۔

البیرونی نے شودر ذات کا امتیازی نشان سیاہ رنگ بتایا ہے 17 جو اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ یہ لوگ ہندوستان کے قدیم ترین سیاہ فام رہائشی تھے جنہیں آریاؤں نے مفتوح کرنے کے بعد کبھی بھی انسان تسلیم نہیں کیا تھا۔ بلکہ حیوانوں سے بھی بدتر سمجھے جاتے تھے۔ نہ ان کی کوئی ذاتی ملکیت ہوتی تھی' نہ اچھے کپڑے پہن سکتے تھے۔ نہ پاؤں میں جوتے پہن سکتے تھے اور نہ ہی کھتریوں برہمنوں اور ویشوں کی مزدوری' غلامی اور تابعداری کے علاوہ کوئی اور کام کرسکتے تھے۔ حتیٰ کہ ان کے جھونپڑے بھی شہر سے باہر ہوا کرتے تھے۔

"آریہ" — معانی و مفاہیم

لفظ "آریہ" کے معانی و مفاہیم

اس بات میں شاید ہی کسی مورخ نے شک و شبہ کا اظہار کیا ہو کہ راجپوتوں کا ابتدائی نکاس کھتریوں سے ہے۔ اور کھتری لامحالہ قدیم ہندی آریاؤں کی ایک ذات تھی جس کا پیشہ سپہ گری تھا۔ کھتریوں یا کشتریوں کا نسلی تعلق یا رشتہ چونکہ عظیم آریہ قوم سے ہے لہذا ہم سب سے پہلے لفظ "آریہ" پر بحث کریں گے۔

لفظ آریہ کے مختلف ماہرین نے مندرجہ ذیل مختلف معانی و مفاہیم بتائے ہیں۔

(ا) کئی ماہرین کا کہنا ہے کہ آریہ کا مطلب "عالی مرتبہ" یا "قابل احترام" ہے 18۔ آریائی قوم نے جب پہلے پہل ہند پر حملہ کیا اور یہاں کی سیاہ فام اقوام کو انہوں نے زیر کرلیا تو فخرو مباہات کے طور پر انہوں نے اپنی قوم کو بزرگ و برتر کا لقب دیا۔ اس لقب کی ایک وجہ آریاؤں کی گوری رنگت بھی ہو سکتی ہے۔ ظاہر ہے جب یہ لوگ خطہ ہند میں داخل ہوئے تو سرخ و سفید جلد کے مالک تھے۔ جبکہ یہاں کے قدیم دراوڑی ان کے برعکس سیاہ و چکنی جلد رکھتے تھے۔ چنانچہ کئی ماہرین کا کہنا ہے کہ اسی بناء پر حملہ آور قوم نے اپنے آپ کو آریہ کہلوانا شروع کیا۔

(ب) کئی ماہرین کا خیال ہے کہ آریہ کا مطلب "حکمران" ہے جب اس قوم نے یہاں کے مقامی باشندوں کو زیر کرکے انہیں اپنا غلام بنا لیا تو اپنے لئے آریہ کا لفظ بطور حکمران کے استعمال کیا 19۔

(ج) کئی علماء کا خیال ہے کہ لفظ آریہ کا مطلب "ہل چلانا" ہے اور یہ نام اس قوم نے اس وقت اختیار کیا جب ہند میں وارد ہونے کے بعد انہوں نے پیشہ کاشتکاری کو

اپنایا 20 ۔

(د) کئی علما کہتے ہیں کہ لفظ آریہ کی اصل "ایران" ہے جو اس قوم کا وطن مالوف تھا اور ایران کی سطح مرتفع کے باشندے بھی زمانہ قبل از تاریخ میں اپنے آپ کو آریاء اریا یا اریہ یاس کہتے تھے 21 ۔ یونانیوں نے بھی انہیں "آریاوری" کہا ہے۔ اس نظریے کو ایرانی زرتشتوں کی قدیم مذہبی کتاب "اوستا" سے بھی تقویت ملتی ہے۔ یاد رہے کہ اوستا کی زبان اور سنسکرت زبان میں بے حد مماثلت پائی جاتی ہے۔

(ر) کئی علما کا کہنا ہے کہ لفظ آریہ ابتداء میں صرف اس قوم کے برہمنوں کے لئے مخصوص تھا جو اپنے آپ کو تمام اقوام سے بزرگ و برتر تصور کرتے تھے۔ بہر کیف بعد میں یہ تصور وسط ایشیا کی تمام اقوام کے لئے مستعمل ہوگیا 22 ۔

(س) کئی ماہرین کا خیال یہ بھی ہے کہ لفظ آریہ کا مطلب "ذات یا برادری والے" ہے۔ جب ہند میں ان لوگوں نے ذات پات پر مشتمل نظام قائم کیا تو اس بناء پر انہوں نے اپنے آپ کو آریہ کہلوانا شروع کیا 23 ۔ ایک موہوم سا نظریہ یہ بھی ہے کہ آریہ لوگ ہند میں داخل ہونے سے پہلے ماد' مادی' میڈی یا میدی کہلاتے تھے 24 ۔ یہ لوگ اس زمانہ میں خراسان اور اس کے نواح میں آباد تھے۔ چونکہ یہ لوگ اس وقت آتش پرست تھے لہذا بخت نصر شاہ بابل کے دور میں فلسطین سے جلا وطن ہونے والے اسرائیلیوں نے اس قوم کو "ارین" کا نام دیا تھا۔ یاد رہے کہ "ار" بابل کے نواح میں ایک مشہور شہر کا نام

تھا جہاں کے لوگ ایک روایت کے مطابق آتش پرست تھے۔ گویا اس خیال کے مطابق اصل لفظ آرین نہیں بلکہ ارین ہے۔ یعنی "ار" بمعنی آگ کے استعمال ہوا ہے اور "ین" نسبت کے لئے۔ جس شرار سے یہ نسبت ظاہر کی گئی ہے حضرت ابراہیمؑ کو اسی شہر میں آگ کے سپرد کیا گیا تھا۔ جہاں سے وہ خدا تعالیٰ کی رحمت و مہربانی سے بچ نکلے تھے 25 ۔

(ص) ایک رائے کے مطابق آریہ کے معنی ہی اجنبی' نووارد' غیر ملکی یا بیگانہ کے ہیں۔ اور یہ نام انہیں ہند کے مقامی باشندوں نے اس وقت دیا جب یہ ہند میں داخل ہوئے 26 ۔

آریہ کا جو بھی مفہوم ہو بہر کیف سنسکرت زبان میں لفظ آریہ "کونچی ذات" شریف اور آزاد کے معنی دیتا ہے۔ لہذا اسی نظریے کو ہم درست مانتے ہیں کہ آریاؤں نے چونکہ یہاں کے مقامی باشندوں کو زیر کرکے انہیں اپنا غلام بنا لیا تھا۔ آریاؤں اور یہاں کے سیاہ فام باشندوں میں رنگت کا بھی فرق تھا لہذا انہوں نے یہاں کے مقامی مفتوح باشندوں پر اپنی بزرگی و برتری کے اظہار کے لئے "آریہ" کہلوانا شروع کیا ہوگا۔

آریاؤں کا قدیم مسکن

جس طرح لفظ آریہ کے معنی و مفہوم میں علماء کا اختلاف ہے اسی طرح آریاؤں کے قدیم مسکن وطن مالوف پر بھی ماہرین الگ الگ نظریات رکھتے ہیں۔ جن میں سے چند ایک مشہور نظریات کا ہم ذیلی سطور میں تذکرہ کریں گے۔

نمبر1 اکثر محققین اس بات پر متفق ہیں کہ آریہ نسل کا گہوارہ دریائے ڈینیوب کی وادی تھی۔ یہاں سے اس نسل کے مختلف قبائل ادھر ادھر جاتے رہے۔ وہ قبائل جو

ہندوستان پہنچے دانیال سے گزر کر ایشیائے کوچک اور شمالی ایران سے ہوتے ہوئے آئے اور ہندوستان کے شمال میں بارہویں صدی قبل مسیح کے لگ بھگ آباد ہوئے 27 ۔

نمبر۲ ایک خیال اس سے ملتا جلتا یہ ہے کہ آریاؤں کا اصل وطن ترکستان میں دریائے جیحوں کے قریب تھا۔ ان کی دو بڑی قسمیں تھیں ان میں سے ایک تو یورپ میں جا بسی اور دوسری ایران کی طرف آئی۔ ایران، بلخ اور مغدانیہ وغیرہ میں مدت تک آباد رہنے کے بعد یہ اقوام جنوب کی طرف مڑیں اور کوہ ہندوکش کو پار کرکے ہندوستان میں وارد ہوگئیں۔ اس لحاظ سے گویا یورپی اور ہند آریائی دونوں ایشیائی ہیں اور ایک ہی نسلی ریلے سے تعلق رکھتے ہیں 28 ۔ یہ مفروضہ یورپی اور ہندی زبانوں کی حیرت انگیز مماثلت کے سبب قائم کیا گیا ہے۔

نمبر۳ ایک خیال یہ ہے کہ آریہ قوم شمال مغرب میں ہندوکش کے پہاڑوں میں (جنہیں کاکیشیا کا نام دیا جاتا ہے) مقیم تھی۔ اس نے سب سے پہلے پنجاب کی طرف ہجرت کی اور ہمالیائی دروں کے ذریعے پنجاب میں داخل ہوئی 29 ۔

نمبر۴ ایک خیال یہ ہے کہ آریہ کیسپئن (CASPIAN) کے کنارے آباد تھے۔ اور نامعلوم زمانوں میں یورپ و ہند کی طرف گئے 30 ۔

نمبر۵ ایک کمزور سا نظریہ یہ بھی ہے کہ آریا دراصل زمانہ قدیم میں کم و بیش ہزار سال قبل مسیح میں جیحوں سے لے کر بلکاخ کی جھیل کے بیچوں بیچ آباد تھے۔ یہ علاقہ بلاشبہ زرد فام منگولوں کا تھا۔ جس کی وجہ سے اس نظریہ

کے حامی آریاؤں کو منگول بتاتے ہیں 31 ۔

نمبر۶ ایک خیال یہ ہے کہ آریاؤں کا وطن دریائے وولگا اور سردریا کا درمیانی گیاہستانی علاقہ تھا 32 ۔

نمبر۷ ہم سب سے آخر میں تمدن ہند کے مشہور مصنف ڈاکٹر لی بان کی رائے نقل کرتے ہیں جو یوں ہے:

"غالباً یہ ایران کے قدیم باشندے تھے۔ جب یہ ہندوستان میں آئے تو اس وقت یہ ایران چھوڑ کر قرب و جوار کے ملکوں میں آچکے تھے۔ انہوں نے ہندوستان پر مسلسل حملے کئے" 33 ۔

ہمارے خیال میں بحیرہ خضر (LASPIAN SEA) اور بحیرہ حبشہ (BLACK SEA) کے درمیانی علاقے قدیم ترین آریائی اقوام کا مسکن تھے۔ اس میں آرمینیا کا علاقہ بھی شامل تھا۔ جبکہ بحرہ خضر (CASPIAN) کا مشرقی علاقہ (تاشقند؛ تبت و فرغانہ کی سرحدوں تک) مساگیتائی (خطائی) اور ساکا اقوام کا جنم بھوم تھا اور یہ اقوام زرد فام منگولوں کی اولادیں تھیں۔ بحیرہ خضر اور بحیرہ حبشہ کے درمیانی علاقوں سے ہی اٹھ کر آریائی اقوام وحشت کے نامعلوم دور میں یورپ و ہند کے علاوہ دیگر کئی ممالک میں پھیل گئی تھیں۔

اگنی کل راجپوت

اگنی کل راجپوتوں کی اصل پر بحث

جیسا کہ ہم سابقہ اوراق میں وضاحت کر آئے ہیں۔ ابتدا" لفظ راجپوت ان کھتری سورماؤں اور جنگجوؤں کے لئے مستعمل و مروج تھا جو اپنی ہم عصر اقوام میں صاحبان ثروت سمجھے جاتے تھے۔ آریہ مذہب و سماج میں ذات پات کی تبدیلی ایک ناقابل معافی جرم سمجھا جاتا تھا۔ کوئی برہمن راجپوت نہیں بن سکتا تھا اور نہ کوئی راجپوت برہمن۔ ذات پات کے اس نظام کو مذہبی تحفظ و تقدس کا درجہ حاصل تھا۔ اور جب تک آریاؤں کی اس خطہ میں بلاشرکت غیرے حکمرانی رہی تب تک یہ نظام من و عن چلتا رہا۔ لیکن بعد میں جب مغربی دروں کے راستے دیگر اقوام کے قافلے اس ملک میں داخل ہوئے تو ان کے ہاتھوں جہاں یہاں کی آریائی اقوام کو زک اٹھانا پڑی وہاں ان کے ذات پات کے نظام میں بھی لچک پیدا ہوتی گئی۔ ظاہر ہے حملہ آور اقوام بھی نچلی ذاتوں میں شامل ہونے کو تیار نہ تھیں لہٰذا ان کی اکثریت کو بھی یہاں کی آریائی اقوام نے بہ امر مجبوری اپنی اعلیٰ ذاتوں میں قبول کرلیا۔

حقیقت یہ ہے کہ اس خطہ میں ذات پات کی تبدیلی زر' زمین اور افرادی قوت کی مرہون منت رہی ہے۔ ظاہر ہے جس قبیلے کے پاس دولت و قوت ہوتی تھی وہ زبردستی اپنا نام یہاں کی اعلیٰ ذاتوں میں درج کروالیتا تھا۔ ہندی ویدوں اور قدیم تاریخی کتب کے مطالعہ سے اس بات کے اشارے بھی ملتے ہیں کہ یہاں کے برہمن غیر قبائل کے لوگوں سے رشوت لے کر بھی انہیں اعلیٰ ذاتوں میں شامل کرلیا کرتے تھے۔ سو یہ کہنا کہ موجودہ راجپوت قبائل خالصتاً آریائی کھتری ہیں' غلط ہے۔ ان میں کئی دیگر اقوام کے لوگ بھی شامل ہوگئے ہیں۔ جہاں کئی قبائل رشوت یا قوت کے بل بوتے پر راجپوت و برہمن بن گئے وہاں کئی کو برہمنوں نے مقدس آگ سے گزار کر بھی راجپوت بنا دیا۔ ہندی مذہب کی رو سے آگ کو مقدس سمجھا جاتا تھا اور جو شخص آگ میں سے گزر جاتا تھا وہ پاک ہوجاتا تھا۔ خصوصاً راجپوتوں کی چار ابتدائی ذاتوں یعنی چوہان' پرہار یا پریہار' سولنگی اور پرمار کے متعلق تو وثوق سے کہا جاسکتا ہے کہ یہ لوگ کھتری راجپوتوں کی نسل سے نہیں تھے۔ انہیں بعد میں آگ سے گزار کر پاک کیا گیا

اور اگنی کل کا درجہ دیا گیا۔ اس قصہ کو ہم کرنل ٹاڈ کی تحریر کردہ مشہور کتاب تاریخ راجستھان سے لے کر پیش کرتے ہیں جو یوں ہے:۔ 34

"جب راجپوتوں کے ظلم و تشدد پر پرس رام کو غصہ آگیا تو اس نے متعدد دفعہ اس سرزمین سے کھتری راجپوتوں کا نام و نشان مٹایا۔ انہوں نے (راجپوتوں نے) اپنے آپ کو بھاٹ مشہور کیایا عورتوں کے لباس میں پردہ نشین ہوگئے۔ اس زمانہ میں ہر جگہ برہمن کی حکومت قائم ہوگئی اور ہر طرف انہیں کا دور دورہ تھا۔ برہمنوں کی طاقت اور اقتدار کے باوجود راجہ مہیش، سرارجن نے پرس رام کے باپ کو قتل کردیا۔ برہمنوں کا قدیمی ہتھیار دعا یا بدعا تھا لیکن اس ہتھیار سے کام نہ نکل سکا۔ سارے ملک میں بے دینی پھیل گئی مذہبی کتابیں پاؤں تلے روندی گئیں۔ بے دینوں کا زور ہوا۔ سری رام چندر کے پیشوا نے تجویز پیش کی کہ چھتری (کشتری) پھر پیدا کئے جائیں۔ انہوں نے اس ضمن میں کوہ آبو کی چوٹی پر قربانی کرنے کی ٹھانی۔ اس چوٹی کو تقدس کا درجہ حاصل تھا۔ چنانچہ کوہ آبو پر قربانی کی غرض سے مقدس آگ روشن کی گئی اور کھتری کی از سر نو پیدائش کے لئے دعا کا سلسلہ شروع ہوا۔ رگیشر اندر، برہما، ردر، وشنو، اور دیگر تمام دیوتا کوہ آبو پر پہنچ گئے۔ آتش کدہ کو (قربانی کی جگہ کو) گنگا کے پاک پانی سے دھویا گیا اور حسب دستور اس میں خوشبو ڈالی گئی۔ بانی منتر وغیرہ پڑھنے کے بعد اندر جی نے قربانی کا آغاز کیا۔ کرشن کی مجسم شکل پر پانی چھڑک کر اسے آتش کدہ میں ڈال کر منتر پڑھا گیا۔ اس کی تاثیر سے ایک انسان پیدا ہوا اس کے ہاتھوں میں نیزہ اور زبان پر مار مار کا نعرہ تھا۔ اس لئے اس کا نام پرمار رکھا گیا۔ اسے آبو اور اوجین کا علاقہ دیا گیا۔ برہما جی نے ایک اور بت آتش کدہ میں ڈالا جس سے ایک اور بہادر نوجوان آگ میں سے نکلا

اس کے ایک ہاتھ میں تلوار تھی، دوسرے میں وید تھے اور تیسرے میں جینو تھا۔ جس وقت یہ نوجوان آگ سے برآمد ہوا اس وقت دیوتا پانی کے چلو پر دعا پڑھ رہے تھے لہٰذا اس چلو کی مناسبت سے اسے چلوکیا کا نام دیا گیا۔ موجودہ چلوکیا یا سولنگی نسل کے راجپوت اسی کی اولادیں ہیں۔ اس نوجوان کو حکومت کے لئے انہلواڑہ و پٹن کا علاقہ دیا گیا۔ اس کے بعد دیوتاؤں نے ایک اور مورت پر گنگا کا پانی چھڑک کر اور اسے آگ میں ڈال کر دعا مانگی تو ایک اور جوان آگ میں سے تیر کمان پکڑے نکلا۔ جس وقت اس جوان نے راچھیون کو دیکھا تو اس کے پاؤں لڑکھڑانے لگے۔ جس کی بناء پر اسے پرہار کا لقب ملا اور حکومت کے لئے اسے صحرا کی آبادیوں کا راجہ بنایا گیا۔ موجودہ تمام پرہار یا پرہار نسل کے راجپوت قبائل اسی کے ابناؤ اخلاف ہیں۔ اس کے بعد کشن جی نے ایک اور چتر بھومی مورت بنا کر قربان گاہ کی آگ میں ڈالی۔ آگ کے شعلوں سے ایک اور بہادر نکلا جس کے ہاتھوں میں چار ہتھیار تھے جن کی نسبت سے اسے چوہان کا خطاب ملا۔ موجودہ چوہان نسل کے راجپوت قبائل اسی کی اولاد کہلاتے ہیں۔"

تبصرہ

اگنی کل راجپوتوں کی پیدائش و اصل کے متعلق یہ ہندی قصہ ہمیں صاف بتا رہا ہے کہ متذکرہ بالا چاروں اقوام آریائی کھتریوں کی نسل سے تعلق نہیں رکھتی تھیں۔ ورنہ انہیں آگ میں سے گزار کر پوتر بنانے کی کیا ضرورت تھی؟ انہیں آتشیں غسل دیا ہی اسی لئے گیا تھا تاکہ انہیں کھتریوں کی ذات میں شامل کرنے کا مذہبی جواز پیدا کیا جاسکے ایک اور حقیقت جو اس قصہ سے واضح ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ زمانہ ماضی میں برہمن ذات کے لوگوں نے اپنی مقدس ذات اور عوام کی بے تحاشہ بےبصداری سے فائدہ اٹھا کر

کھتری راجپوتوں کے ریاستی معاملات میں بھی دست درازی شروع کردی تھی۔ ظاہر ہے
حکومت و سپہ گری کھتری راجپوتوں کا مذہبی فریضہ تھا' وہ اس سے کس طرح کنارہ کش
ہو سکتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے بھی برہمنوں کی مذہبی اہمیت کو نظرانداز کرنا شروع کردیا
اور انہیں سلطنت کے معاملات سے دور رکھنے کے لئے کوشاں رہنے لگے۔ برہمنوں
نے اپنی اہمیت اور مذہبی حیثیت کو خطرے میں دیکھ کر کسی دوسری قوم کے لوگوں کو
راجپوت یا کھتری ذات میں شامل کرلیا تاکہ وہ نئے راجپوت لوگ ان کے اقتدار کو تحفظ
دے سکیں۔ تاہم یوں لگتا ہے کہ ان نئے کھتریوں نے برہمنوں اور کھتریوں کے مابین
اقتدار کی اسی کشمکش کا بھرپور فائدہ اٹھایا اور ملک کے مختلف خطوں پر خود قابض ہو کر
راجے بن بیٹھے۔ ان چار جوانوں کا جو آگ سے پیدا کئے گئے کس قوم سے تعلق تھا؟
اس ضمن میں ہم آئندہ صفحات میں مفصل بحث کریں گے۔ بہرصورت یہ یقینی بات
ہے کہ وہ آریائی کھتری ہرگز نہیں تھے۔

راجپوتوں کی اصل پر بحث

ہم اوراق سابقہ میں بتا آئے ہیں کہ چوہان' پرمار' پریہار اور سولنکی راجپوتوں کا
نسلی تعلق قدیم آریائی کھتریوں سے ہرگز نہیں ہے۔ قدیم کھتری تو تھے ہی پوتر و پاک۔
انہیں بعد میں آتشیں غسل دے کر مزید پوتر بنانے کی برہمنوں کو کیا ضرورت تھی؟
اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر یہ چاروں راجپوت ذاتیں نسلی اعتبار سے آریائی کھتری
نہیں ہیں تو پھر کونسی قوم سے ان کا تعلق ہے؟۔ قیاس غالب ہے کہ ان چاروں ذاتوں
کا تعلق ساکا یا "تکا" قوم سے تھا۔ یہ قوم دسویں صدی قبل مسیح کے دوران ہند میں
داخل ہوچکی تھی۔ تکا یا ساکا قوم نے سب سے پہلے ٹیکسلا میں اپنی راجدھانی قائم کی
تھی اور بعد میں مشرق کی طرف پھیلتے گئے۔ جنرل کنگ ھام ٹیکسلا کا لفظ اسی قوم تکا
سے ماخوذ بتاتا ہے۔ موصوف کے مطابق اصل لفظ "تکشاسرا" تھا 35۔ ہمارے
خیال میں اصل لفظ تکا شیلا ہوگا۔ یعنی تکا سے مراد تکا قوم ہے جبکہ شیلا سے مراد ٹبہ'
ٹیلا یا ڈھیری ہے۔ کوہ نمک کی وادیوں میں اب بھی ایسے کئی گاؤں ہیں جو نسبتاً اونچی
جگہوں پر یا چھوٹی چھوٹی ڈھلوانی پہاڑیوں پر آباد ہیں ان کے ساتھ ٹبہ (یعنی ٹیلا یا

ڈھیری) کا لفظ ضرور لگایا جاتا ہے۔ مثلاً ایک گاؤں کسی پہاڑی ڈھیری پر کسی مہربان شاہ
نامی شخص نے بسایا تھا تو وہ ٹبہ مہربان شاہ ہی کے نام سے مشہور ہے۔
یوں لگتا ہے ساکاؤں یا تکاؤں نے مختلف اوقات میں ۹۵۰ قبل مسیح سے چھٹی صدی
قبل مسیح کے دوران کئی بار ہند پر دھاوے کئے۔ اور ان کے حملہ آور جتھے یہاں کے
مقامیوں یا آریاؤں کو مغربی پنجاب و مجرائے سندھ سے آگے دھکیل کر یہاں قابض
ہوتے رہے۔ ان کا آخری حملہ ۹۸ قبل مسیح میں ہوا تھا۔ تکاؤں یا ساکاؤں کے جس
گروہ کے چار سرداروں کو غسل آتشیں دے کر اگنی کل راجپوت بنایا گیا تھا انہوں نے
غالباً ۹۵۰ قبل مسیح سے ۸۵۰ قبل مسیح کے درمیانی عرصہ میں پنجاب پر حملہ کیا تھا۔
تکاؤں یا ساکاؤں کے اس حملہ آور جتھے کے بعد جتنے بھی حملہ آور ساکا' تکا یا سیتھین
اقوام کے لوگ اس ملک میں داخل ہوئے وہ زیادہ تر پیشہ کاشتکاری سے وابستہ رہے۔
ان تمام ساکا' تکا یا سیتھین حملہ آوروں کا تعلق ایک ہی نسلی ریلے سے تھا اور اگرچہ ان
میں زرد فام منگولوں کا اثر نمایاں تھا لیکن وہ دوسری اقوام سے بے تحاشہ مخلوط ہوچکے
تھے۔ اس موضوع پر ہم اپنی ایک دوسری کتاب "پنجاب کے جاٹوں کی تاریخ" میں
مفصل بحث کرچکے ہیں لہٰذا اسے ان اوراق میں از سر نو دوہرانا مناسب نہیں ہے۔
ہم دیکھتے ہیں کہ کوروں اور پانڈووں کی جنگ میں جدھشٹر کی سربراہی میں چار
قبیلے کوروں کے سامنے صف آرا ہیں۔ پانڈووں کے سردار جدھشٹر کے ہمراہ' نکل'
سہدیو' ارجن اور بھیما یا بھیم سین نہ تو آریائی کھتری تھے اور نہ ہی باہم سگے بھائی
تھے۔ پروفیسر بدھ پرکاش ان پانچوں پانڈو سرداروں کو ساکا قوم کے پانچ قبیلے بتاتے ہیں 36
۔ اور لسانی شہادتوں سے ثابت بھی کرتے ہیں۔ اور غالباً انہی قبائل کے بعض
سرداروں کو بعد کے کسی دور میں غسل آتشیں دے کر باقاعدہ راجپوت برادری میں
شامل کرنے کا مذہبی جواز پیدا کیا گیا۔ گویا اس لحاظ سے چوہان' سولنکی' پرمار اور پریہار
راجپوتوں کا نسلی تعلق ان ساکاؤں سے ہے جنہیں ہند کی تاریخ سیتھین کے نام سے یاد
کرتی ہے۔

راجپوت -- جدید تقسیم

راجپوتوں کی جدید تقسیم

دور حاضر کے راجپوت تین بڑے گروپوں میں تقسیم ہیں۔ ایک گروپ سورج بنسی کہلاتا ہے، دوسرا چندر بنسی اور تیسرا یادو بنسی یا جادو بنسی کہلاتا ہے ان گروپوں کی مزید کئی ذیلی شاخیں ہیں۔ ہم ان تینوں گروپوں پر الگ الگ مختصراً بحث کریں گے تاکہ قارئین یہ جان سکیں کہ ان تینوں گروپوں کے ماخذ کیا ہیں۔ یا کون کون سے عظیم انسانی ریلوں سے ان کا تعلق ہے۔

اگنی کل راجپوت سورج بنسی کہلاتے ہیں

پنجاب میں جتنے بھی سورج بنسی راجپوت آباد ہیں ان کا نسلی تعلق ساکاؤں کے نسلی ریلے سے ہے جبکہ ساکا قدیم زرد فام قوم کے باقیات تھے۔ یہ ساکا قبائل ۹۵۰ سے ۸۵۰ قبل مسیح کے درمیانی عرصہ میں پنجاب میں وارد ہوئے تھے، اور یہ لوگ پانچ بڑے قبائل میں بٹے ہوئے تھے۔ بعد میں انہی قبائل کے وفاق یا اتحاد کو پانچ پانڈو بھائیوں کا نام دیا گیا۔ انہیں پانچوں قبیلوں کو آریائی برہمنوں نے غسل آتشیں دے کر کھتری قوم میں شامل کرلیا تھا۔ اگرچہ کئی دیگر قومیں بھی بعد میں سورج بنسیوں میں شامل ہوئی ہوں گی، تاہم اصل سورج بنسی وہی قبائل ہیں جن کا تعلق چوہانوں، سولنکیوں، پرماروں اور پریہاروں سے ہے۔ ان ساکاؤں کے سورج بنسی ہونے کی شہادت اس تاریخی واقعہ یا قصہ سے بھی ملتی ہے جس کے تحت قدیم منگولوں کی ملکہ الان قوا نامی، سورج کی کرنوں سے حاملہ ہوئی تھی اور بعد میں اس کی اولادوں نے سورج کی اولاد کہلوانا شروع کرویا تھا۔ اس کا تفصیلی تذکرہ ہم نے اپنی ایک اور کتاب "پنجاب کے مغل قبائل" میں کیا ہے۔

چندر بنسی ۔ قدیم کھتری راجپوت

چندر بنسی راجپوتوں کا نسلی تعلق اگرچہ بلاشبہ قدیم آریائی کھتریوں سے ہے تاہم بعد میں اس قوم میں کئی برہمن قبائل (خصوصاً وہ برہمن جو اقتدار پر قابض رہے)

بھی شامل ہو گئے تھے۔ زمانہ قدیم میں کھتری راجپوتوں کے دو گروہ بن گئے تھے ایک گروہ جسے تاریخ کوروؤں کے نام سے یاد کرتی ہے چندر بنسی کہلواتا تھا جبکہ دوسرا گروہ جسے ہم پانڈوؤں کے نام سے یاد کرتے ہیں سورج بنسی تھا۔ گویا دوسرے لفظوں میں کوروؤں اور پانڈوؤں کی جنگ انہی دو گروہوں یعنی سورج بنسیوں اور چندر بنسیوں کے مابین لڑی گئی تھی۔

یادو بنسی راجپوت

راجپوتوں کا تیسرا گروہ یادو بنسی یا جادو بنسی مشہور ہے۔ ان کا نسلی تعلق کسی بھی صورت میں قدیم آریائی کھتریوں یا ساکا راجپوتوں سے نہیں بنتا۔ حقیقت میں یہ لوگ اس سری کرشن جی کی اولاد ہیں جس نے کوروؤں اور پانڈوؤں کی جنگ میں پانڈوؤں کا ساتھ دیا تھا۔ اور اس شخص کے فہم و تدبر سے پانڈوؤں نے جنگ جیتی تھی۔ سری کرشن جی کو اوتار بھی مانا جاتا ہے اور اس کی مورتی کی پوجا بھی کی جاتی ہے۔ سری کرشن کون تھے اور ان کا نسلی تعلق کس قوم سے تھا؟۔ اس بارے میں اگرچہ تاریخ مکمل طور پر خاموش ہے لیکن قیاس غالب ہے کہ کرشن جی نسلی اعتبار سے ان دراوڑی اقوام کے چشم و چراغ اور حکمران تھے' جو آریائی حملہ سے پہلے اس خطے کی حکمران تھیں' اور جنہوں نے ہڑپہ و موہنجوداڑو کی تہذیبوں کی بنیادیں رکھی تھیں۔ دراوڑی اقوام قدیم ترین تورانی الاصل منگولوں اور قدیم ترین سیاہ فام ہندیوں کی ایک مخلوط نسل تھی

قدیم کھتری راجے

کھتری راجاؤں کی قدیم تاریخ

ہم اوراق سابقہ میں بتا آئے ہیں کہ سب سے پہلے راجہ کا لقب ان کھتری ذات کے آریاؤں کو دیا گیا تھا جن کا پیشہ سپہ گری تھا اور جو لوٹ مار کرکے بے شمار مویشی و دولت جمع کرلیتے تھے اور صاحبان ثروت تھے۔ اس لحاظ سے راجپوتوں کی اصل تاریخ کا آغاز آریاؤں کے کھتری فرقہ سے ہوتا ہے۔ اور انہی کھتری راجاؤں کی اولادیں آگے چل کر راجپوت کہلائیں۔ اگرچہ بعد میں راجپوتوں میں کئی دیگر بیرونی حملہ آور اقوام بھی شامل کرلی گئیں تاہم قدیم دور کے اصل راجپوت کھتری ہی تھے جن کا مختصراً تذکرہ ذیل کے اوراق میں کیا جائے گا۔

راجہ بھرت۔ پہلا کھتری راجہ

کھتری راجاؤں کا پہلا تذکرہ ہمیں کوروؤں اور پانڈوؤں کے حالات کے ذیل میں ملتا ہے۔ مہابھارت کا یہ قصہ اگرچہ بلاشبہ اساطیری رنگ رکھتا ہے تاہم اس قصہ میں کئی تاریخی نوعیت کے واقعات بھی ملتے ہیں۔ مہابھارت کے اس شہرہ آفاق قصہ میں ہمیں سب سے پہلے جس کھتری راجہ کا نام ملتا ہے وہ راجہ بھرت ہے غالباً لفظ بھارت بھی اسی نام سے ماخوذ ہے۔ قصہ مہابھارت کی اساطیری روایات بتاتی ہیں کہ اسی راجہ بھرت کی اولادیں آگے چل کر دو گروہوں میں تقسیم ہوگئی تھیں۔ ایک گروہ کو آج کی تاریخ کورو اور دوسرے کو پانڈو کے نام سے یاد کرتی ہے۔ گویا ان دونوں گروہوں یعنی کوروؤں اور پانڈوؤں کے مشترکہ جد امجد کا نام راجہ بھرت تھا۔ البتہ ہم اپنا نقطہ نظر دلائل و براہین کی روشنی میں پہلے ہی سابقہ اوراق میں واضح کر آئے ہیں جس کے مطابق پانڈو راجپوت اصلاً" اور نسلاً" پانچ ساکا قبائل تھے جن میں سے بعض کو بعد میں آگ میں سے گزار کر کھتری بنایا گیا تھا۔ تاہم راجہ بھرت کو ہم پہلا باقاعدہ کھتری راجہ تسلیم کرتے ہیں۔ اس ضمن میں ملاحظہ ہو تاریخ فرشتہ کی ایک تحریر:۔ 37

"ہندوستان کے مورخین کا بیان ہے کہ "دواپر یگ" کے نصف

آخر میں ہستناپور میں ایک راجہ تھا جو ذات کا کھتری تھا اور نام کا بھرت تھا"۔

یہاں ہستناپور سے مراد غالباً دہلی یا اس کے نواح کا قدیم علاقہ ہے۔ راجہ بھرت ہی نے غالباً سب سے پہلے یہ راجدھانی قائم کی تھی راجہ بھرت کے بعد تاریخ فرشتہ کے مطابق اس کی اولادوں نے سات نسلوں تک ہستناپور پر حکمرانی کی۔ گویا حکمرانی کا سلسلہ بھرت کی اولادوں میں پشت در پشت چلتا رہا۔ راجہ بھرت کا دور حکومت معلوم کرنا بے حد دشوار ہے۔ یہ نامعلوم زمانے کا راجہ تھا۔ غالباً اس دور کا جب آریاؤں کو اس سرزمین پر تسلط حاصل کئے تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا۔

راجہ کور کھتری

راجہ بھرت کے بعد جیسا کہ ہم بتا چکے ہیں اسکی اولادوں نے ہستناپور پر سات پشتوں تک حکمرانی کی تاہم اس دور کے ان سات راجاؤں کے نام ہمیں کتب تواریخ میں نہیں ملتے۔ البتہ راجہ بھرت کی آٹھویں پشت میں سے کم و بیش اس کے دور سے اڑھائی صدیاں بعد ایک نوجوان پیدا ہوا جس کا نام راجہ کور تھا۔ تاریخ فرشتہ کے مطابق ہندوستان کا قدیم شہر کورکھیت جسے اب تھانیسر کہا جاتا ہے اسی راجہ کور کے نام سے آباد ہوا تھا اور اس شہر کا غالباً بانی بھی یہی راجہ تھا 38۔ اس مشہور و عظیم کھتری راجہ کی اولادیں بعد میں کورو کہلائیں۔

راجہ چتر برج کھتری

راجہ کور کے بعد بھی ہستناپور اور اس کے نواحی علاقوں پر کھتری راجاؤں کی پشت در پشت حکمرانی کا سلسلہ جاری رہا۔ حتیٰ کہ راجہ کور کی چھٹی پشت میں سے کم و بیش دو صدیاں بعد ایک اور راجہ چتر برج نامی پیدا ہوا 39۔ چتر برج سے قبل جو پانچ کھتری راجہ گزرے ان کے مفصل حالات تاریخ کی کتابوں میں درج نہیں ہیں۔ اس راجہ چتر برج کے متعلق بھی صرف یہی لکھا ہے کہ یہ ایک عظیم المرتبت راجہ تھا۔

راجہ چتر برج کے دو بیٹے پیدا ہوئے بڑے کا نام دھتر آشٹر تھا جو پیدائشی نابینا تھا جبکہ چھوٹے کا نام راجہ پنڈا تھا۔

راجہ پنڈا کھتری

راجہ پنڈا کے متعلق جیسا کہ ہم بتا آئے ہیں راجہ چتر برج کا چھوٹا بیٹا تھا۔ اگرچہ اس دور کے قوانین کی رو سے اپنے باپ کے بعد فرمانروائی کا حق بڑے بیٹے کا بنتا تھا۔ تاہم چونکہ چتر برج کا بڑا بیٹا دھتر آشٹر نابینا تھا اور سلطنت کے کاروبار کے لئے نااہل تھا لہٰذا باپ کے بعد راجہ پنڈا کو اس کا جانشین بنایا گیا۔ اس راجہ پنڈا کی اولادوں نے بعد میں پانڈوؤں کے نام سے شہرت حاصل کی۔ راجہ پنڈا کے پانچ بیٹوں کے نام حسب ذیل ہیں 40۔

(۱) جدھشٹر (۲) بھیم سین (۳) ارجن (۴) نکل (۵) سہدیو۔

بعض مورخین کی تحریروں سے اندازہ ہوتا ہے کہ راجہ پنڈا کے جن پانچ بیٹوں کا تذکرہ کوروؤں اور پانڈوؤں کے ذیل میں کیا جاتا ہے وہ کھتری ہرگز نہیں تھے بلکہ اس دور کے ساکا حملہ آوروں کے پانچ قبائل تھے جو بعد میں کھتری راجپوتوں میں شامل ہو گئے تھے۔ اور یہی بات درست بھی ہے جس پر ہم سابقہ اوراق میں مفصل بحث کر آئے ہیں۔ بہر صورت ہندوستان کی قدیم تاریخ اور خصوصاً مہابھارت کے قصہ میں یہی درج ہے کہ یہ پانچوں کھتری تھے اور راجہ پنڈا کی اولاد تھے۔ راجہ پنڈا نے یہی پانچ بیٹے چھوڑ کر جب وفات پائی تو حکومت و سلطنت کا سلسلہ پھر سے اس کے نابینا اور بڑے بھائی راجہ دھتر آشٹر کے ہاتھ میں آ گیا۔ یہ نابینا کھتری راجہ بے شمار بیٹوں کا باپ تھا۔ راجہ دھتر آشٹر چونکہ نابینا تھا لہٰذا کاروبار سلطنت پر "عملاً" اس کا بڑا بیٹا دریودھن نامی قابض تھا۔ راجہ دھتر آشٹر کے کم و بیش ۱۰۱ بیٹے بتائے جاتے ہیں 41۔

کوروؤں اور پانڈوؤں میں اقتدار کی جنگ

جب راجہ پنڈا کے انتقال کے بعد راج پاٹ پھر سے راجہ دھتر آشٹر کے پاس آیا تو اس کے بیٹے دریودھن نے اس خطرہ کے پیش نظر کہ یہ راج پاٹ پھر سے راجہ

پنڈا کے بیٹوں کے ہاتھ نہ چلا جائے انہیں ختم کرنے کی ٹھان لی۔ اور انہیں اپنی راہ سے ہٹانے کے لئے ان کے خلاف سازشوں کے جال بچھا دیئے۔ جس کے نتیجے میں ان کے مابین خانہ جنگی چھڑ گئی۔ اس خانہ جنگی کے حالات مہابھارت میں اساطیری و دیو مالائی قصے کی صورت میں بیان کئے گئے ہیں تاہم اس جنگ کا نتیجہ یہی نکلا کہ سلطنت کو دو حصوں میں تقسیم کردیا گیا آدھی سلطنت راجہ پنڈا کے پانچ بیٹوں کو دے دی گئی جبکہ باقی ماندہ آدھی سلطنت دھتر آشٹر کے ۱۰۱ بیٹوں کے سپرد ہوئی۔

بعد کے قصص و روایات سے یوں لگتا ہے کہ پانڈوؤں نے اپنی بہادری و جوانمردی کے بل بوتے پر اپنی سلطنت کو زیادہ وسعت دے دی اور نواحی علاقوں پر بھی انہوں نے قبضہ کرلیا۔ جبکہ کوروؤں یعنی دھتر آشٹر کی اولادوں کے پاس صرف وہی علاقہ رہا جو انہیں سلطنت کی تقسیم کے وقت وراثت میں ملا تھا۔ چنانچہ حسد کی آگ میں دھتر آشٹر کے بیٹے ہروقت جلتے رہتے تھے اور انہیں پانڈوؤں کی ترقی ایک آنکھ نہ بھاتی تھی۔ بعد کی روایات کے مطابق دریودھن نے نہایت چالاکی و عیاری سے سادہ لوح لیکن بہادر پانڈوؤں کو جوا کھیلنے کی دعوت دی جس میں پانڈو بھائی سلطنت کے علاوہ اپنی مشترکہ بیوی دروپدی کو بھی ہار گئے۔ اس کے نتیجے میں پانڈوؤں کو راج پاٹ کوروؤں کے حوالے کرکے جلا وطن ہونا پڑا۔ جلا وطنی کا عرصہ گزرنے کے بعد انہوں نے کوروؤں سے سلطنت کی واپسی کا مطالبہ کیا۔ کوروؤں نے انہیں سلطنت واپس کرنے سے انکار کردیا جس کی بناء پر جنگ چھڑ گئی۔ اس جنگ کو ہندوستان کی تاریخ کوروؤں اور پانڈوؤں کی جنگ کے نام سے یاد کرتی ہے یہ جنگ جو غالباً ہندوستان کی تاریخ کی پہلی بڑی جنگ تھی تھانیسر کے قریب کورکھیت میں لڑی گئی۔ ہمارے خیال میں کورکھیت سے مراد پانی پت کا مشہور میدان ہے جہاں ہندی تاریخ کی عظیم ترین جنگیں لڑی گئیں۔ اس جنگ میں فریقین کا بے تحاشہ جانی نقصان ہوا اور ان کے چند گنے چنے آدمی زندہ بچے۔ تاہم آخری فتح پانڈوؤں کو ہی نصیب ہوئی 42۔

راجہ کشن کی حکومت

کوروؤں اور پانڈوؤں کی تاریخی لڑائی کے بعد بھی غالباً ہندوستان کی سلطنت

کھتری راجاؤں کے پاس رہی۔ اس لڑائی کے بعد ہمیں راجہ کشن کی حکومت کا حال تواریخ ہند میں درج ملتا ہے۔ اگرچہ یہ وضاحت نہیں کی گئی کہ یہ راجہ کوروؤں اور پانڈوؤں کی لڑائی کے کتنے عرصہ بعد سریر آرائے سلطنت ہوا تھا۔ علاوہ ازیں اس امر کا پتہ بھی نہیں چلتا کہ آیا اس راجہ کا تعلق ہند کے قدیم کھتری سلسلہ سے تھا یا یہ کسی اور قوم کا چشم و چراغ تھا؟ قیاس غالب ہے کہ اس کا تعلق بھی کھتریوں کی ذات سے ہوگا۔ راجہ کشن کے متعلق روایت ہے کہ وہ بے حد بھاری بھرکم اور شہ زور تھا حتیٰ کہ گھوڑا بھی اس کی سواری کی تاب نہ لاسکتا تھا۔ اس راجہ کا وزیر ایک برہمن تھا۔ جس کا نام معلوم نہیں ہوسکا۔ فقط اتنی روایت ملی ہے کہ وہ بے حد دانشور تھا اور ہندوستان میں لکھنے پڑھنے کا رواج اسی نے شروع کیا تھا۔ راجہ کشن کے دور حکومت کے متعلق بتایا جاتا ہے کہ وہ ایران کے راجہ طمورث کا ہم عصر تھا 43 ۔ راجہ کشن نے ہندوستان میں بہت زیادہ ترقیاتی کام کروائے اور اپنے عہد حکومت میں بے شمار نئے قصبے و شہر آباد کئے۔

راجہ مہاراج

مہاراج نے اپنے باپ کشن کے بعد حکومت سنبھالی اسے بھی ہندوستان کا کامیاب ترین راجہ کہا جاتا ہے خصوصاً اس نے ہند میں زراعت کو بے حد ترقی دی اور کئی نئے شہر آباد کئے اس راجہ کے والد یعنی راجہ کشن کا وزیر چونکہ ایک برہمن تھا لہٰذا اس کے دور میں بھی برہمن ذات کے لوگوں کا امور سلطنت میں عمل دخل جاری رہا۔ بلکہ کئی روایات سے یوں لگتا ہے کہ اس کے دور میں برہمنوں کا حکومت و سلطنت کے امور میں عمل دخل بے تحاشہ بڑھ گیا تھا۔ اس کے دور میں اس فرقہ نے بے حد ترقی کی اور بے شمار عبادت گاہیں تعمیر ہوئیں۔ عبادت گاہوں کی آمدنی سے برہمنوں کی قوت بے حد بڑھ گئی تھی۔ اس راجہ کو ایران کے مشہور بادشاہ افریدون کا ہم عصر گردانا جاتا ہے 44 ۔

راجہ کیشوراج

مہاراج کے بعد اس کا بیٹا راجہ کیشوراج تاج ہند کا مالک بنا۔ اس راجہ نے بھی اردگرد کے باقی علاقے فتح کرکے اپنی حکومت میں شامل کئے اور کئی بڑے زمینداروں کی بغاوتیں اور شورشیں فرو کیں۔ یہ راجہ ایران کے مشہور بادشاہ منوچہر کا ہم عصر تھا اور اسے خراج بھی دیتا تھا۔ علاقائی شورشوں اور بغاوتوں کو فرو کرنے میں بھی شاہ ایران نے اس راجہ کی بے حد مدد کی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ اس راجہ نے اپنی سلطنت سری لنکا اور دکن تک وسیع کرلی تھی 45۔

راجہ منیر رائے

راجہ منیر رائے غالباً کھتری راجپوتوں کے سلسلہ کا آخری راجہ تھا اگرچہ اس امر میں بھی اختلاف ہے کہ منیر رائے کے بزرگ کھتری تھے یا نہیں جیسا کہ ہم اوراق سابقہ میں بیان کر آئے ہیں۔ اس راجہ کے دور میں چونکہ ایرانی بادشاہ منوچہر کی سلطنت میں کمزوری پیدا ہوگئی تھی لہٰذا اس نے انہیں خراج ادا کرنا بند کردیا تھا ایرانی سلطنت میں کمزوری پیدا ہونے کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ ان کا مشہور سپہ سالار سام بن نریمان فوت ہوگیا تھا یہ سام بن نریمان وہی ہے جو رستم ایرانی کا جد امجد تھا۔ تاہم اسی راجہ کے دور میں مشہور ایرانی سپہ سالار اور پہلوان رستم کو ایران کی ہندی ملحقات بشمول پنجاب و سندھ کا گورنر بنادیا گیا۔ رستم نے گورنری سنبھالتے ہی سب سے پہلے منیر رائے پر حملہ کیا۔ منیر رائے رستم کا مقابلہ نہ کرسکا اور شکست فاش سے دوچار ہوا۔ رستم نے اس کی سلطنت پر قبضہ کرکے یہاں کی عنان حکومت منیر رائے کے خاندان کے بجائے کسی اور خاندان کے ایک فرد راجہ سورج کے حوالے کردی 46۔

راجپوتوں کے سورج بنسی خاندان کی ابتداء

جب رستم ایرانی نے منیر رائے کی حکومت کو ختم کرکے ایک سورج نامی شخص کو یہاں کا راجہ بنایا تو اس کے ساتھ ہی قدیم کھتری راجاؤں کی حکومت کا طویل دور ختم ہوگیا۔ اگرچہ راجہ سورج کے متعلق یہ معلوم نہیں ہوسکا کہ اس کا تعلق کس ذات سے تھا تاہم قیاس غالب ہے کہ یہ راجہ کھتری ہرگز نہ تھا۔ راجہ سورج کے متعلق

تاریخ فرشتہ میں صرف یہی لکھا ہے کہ وہ ہندوستان کے سرداروں میں سے ایک تھا۔ تاہم اس دور تک یہاں کی آریائی اقوام میں کئی دیگر اقوام کے خون بھی شامل ہوچکے تھے اور ہندوستان کے کئی علاقوں پر بلاشبہ ساکاؤں یا ٹکاؤں کی حکومتیں بھی بن چکی تھیں ان ساکاؤں یا ٹکاؤں کی اصل کے متعلق بھی متضاد آراء پائی جاتی ہیں جن کا تذکرہ ہم نے اپنی ایک دوسری کتاب "پنجاب کے جاٹوں کی تاریخ" میں تفصیل کے ساتھ کیا ہے۔ راجہ سورج نے دریائے بنگالہ سے سرحد دکن تک اپنی سلطنت بڑھائی تھی اور نہایت کامیاب حکومت کرکے دنیا سے رخصت ہوا۔ اس راجہ کے دور میں برہمن طبقہ کے لوگوں نے پھر سے پر پرزے نکالنے شروع کردیئے تھے اور کاروبار حکومت میں دخیل ہوچکے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ چار کھنڈ کے کوہستان کے ایک برہمن نے راجہ سورج کا بے حد قرب حاصل کرلیا تھا اور اس برہمن نے راجہ سورج کو بت پرستی کی تعلیم بھی دی تھی۔ اس راجہ نے قنوج کو اپنا دارالسلطنت بنایا تھا 47۔ اس راجہ نے ایران کے بادشاہ کیقباد کے بعد کا دور پایا تھا۔ اس راجہ کے ۳۵ بیٹے تھے جن میں سے سب سے بڑے بیٹے کا نام مہراج بتایا گیا ہے۔ اسی راجہ کے ۳۵ بیٹوں کی اولادیں بعد میں سورج بنسی راجپوت کہلائیں۔

راجہ مہراج

کہا جاتا ہے کہ راجہ مہراج اور اس کے ۳۴ دیگر بھائی سورج بنسی مشہور ہوئے 48۔ آج بھی اصل سورج بنسی راجپوتوں کی ۳۴ یا ۳۶ شاخیں بیان کی جاتی ہیں جو غالباً انہیں ۳۵ بھائیوں کی اولادیں ہیں۔ راجہ سورج کے والد بزرگوار کے عہد میں ہی برہمن ذات کے لوگوں کا اثر و رسوخ سلطنت کے کاموں میں بڑھ گیا تھا۔ راجہ مہراج کے زمانے میں برہمنوں کا یہ اثر اتنا زیادہ بڑھ گیا کہ انہوں نے بغاوت کردی اور ایک برہمن کیدار نامی کی کمانڈ میں انہوں نے مہراج کو شکست دے کر کاروبار سلطنت پر قبضہ کرلیا 49۔

کیدار برہمن اور راجہ شنکل

کیدار ہند کی تاریخ میں غالباً پہلا راجہ ہے جس کا تعلق برہمن ذات سے تھا یہ شخص ایران کے بادشاہ کیخسرو اور کیکاؤس کا ہم عصر بتایا جاتا ہے۔ تاہم کیدار برہمن صرف انیس سال تک ہی حکومت کر سکا۔ اس کے دور میں کوچ بہار سے ایک باغی شنکل نامی اٹھا اور کیدار کو شکست دے کر راجہ بن بیٹھا۔ اس شنکل نے بھی ہند میں کافی فتوحات کیں اور اپنی راجدھانی کو خوب وسعت دی۔ اس کا حوصلہ یہاں تک بڑھا کہ اس نے طاقت کے نشہ میں چور ہو کر شاہ ایران افراسیاب کو خراج دینا بند کردیا۔ افراسیاب نے اس کی سرکوبی کے لئے ایک بہت بڑی فوج روانہ کی جس میں زیادہ تر تعداد ترکوں کی تھی۔ اس جنگ میں اگرچہ شنکل اور اسکی فوج نے بے حد دلیری سے ایرانی لشکر کا مقابلہ کیا۔ اور قریب تھا کہ وہ انہیں شکست فاش سے دوچار کرتے لیکن عین وقت پر افراسیاب بذات خود اپنے لشکر کی کمک لے کر میدان جنگ میں پہنچ گیا۔ نتیجہ شنکل اور اس کی فوج کی شکست کی صورت میں سامنے آیا۔ تاہم شنکل نے افراسیاب سے معافی مانگ لی اور افراسیاب نے اسے معاف کر کے معزول کردیا اور اس کی جگہ اس کے بیٹے برھٹ کو حکومت دے دی۔ راجہ برھٹ بے حد عبادت گزار شخص تھا وہ لمبے عرصہ تک حکومت کرتا رہا۔ کم و بیش ۸۱ سال کی عمر میں فوت ہوا تاہم چونکہ برھٹ بے اولاد فوت ہوا تھا لہٰذا اس کی وفات کے بعد حکومت پر کچھواہہ قوم کے ایک راجپوت مہاراج نامی نے قبضہ کرلیا 50۔

مہاراج کچھواہہ (راجپوت) کی حکومت

مہاراج نے بھی اپنی حکومت کو بہت وسعت دی اور اس نے نہر والہ (گجرات) وغیرہ کے علاقے تک زیر نگیں کرلئے یہ راجپوت راجہ ایرانی بادشاہ گشتاسپ کا ہم عصر بتایا گیا ہے۔

کیدراج گکھڑ کی حکومت

کیدراج کے متعلق ہماری اپنی رائے یہ ہے کہ یہ شخص موجودہ گکھڑ قوم کا چشم و چراغ تھا۔ یہ رائے ہم نے تاریخ فرشتہ سے مندرجہ ذیل اقتباس کو پیش نظر رکھ

کر قائم کی ہے 51۔

"مہاراج کی وفات کے بعد اس کی وصیت کے مطابق اس کا بھانجا کیدراج تخت پر بیٹھا۔ چونکہ اس کے زمانے میں رستم کی موت واقع ہوگئی تھی اور کچھ عرصہ سے پنجاب کا کوئی طاقتور حکمران نہ رہا تھا اس لئے کیدراج نے حملہ کرکے اسے (پنجاب کو) اپنے قبضہ میں لے لیا اور کچھ دنوں شہر بھیرہ (موجودہ ضلع سرگودھا کی تحصیل) میں جو ہندوستان کے قدیم ترین شہروں میں سے ایک ہے قیام کرکے جموں کا قلعہ تعمیر کروایا اور اپنے ایک رشتہ دار کو جس کا نام واک درگا تھا اور جو کھکروں (گکھڑوں) کی قوم سے تعلق رکھتا تھا اور حکمران بننے کا پورا پورا اہل تھا وہاں کا حاکم مقرر کیا۔ اس وقت سے اب تک (سترھویں صدی عیسوی کے اوائل تک) یہ قلعہ (جموں) اسی قوم کے قبضے میں ہے"۔

تاریخ فرشتہ کے اس اقتباس سے اس بات کی طرف صاف اشارہ مل رہا ہے کہ کیدراج گکھڑوں کا چشم و چراغ تھا۔ گکھڑوں کی اپنی قومی تاریخ میں بھی اسی امر کی وضاحت ملتی ہے کہ ایک لمبا عرصہ تک جموں میں ان کی حکومت رہی ہے۔ دوسرے گکھڑ قوم جس ایرانی بزرگ کیئے گوہر نامی کو اپنا جد امجد بتاتی ہے اس کا نام اور کیدراج کا نام بھی تقریباً ہم معنی ہے۔ اگر ہم راج کا مطلب چمکنے والا کے لیں تو گوہر اور راج میں صرف زبانوں کا فرق رہ جاتا ہے معنوی لحاظ سے ایک ہی ہیں۔ جہاں تک "کیئے" اور "کید" کے الفاظ ہیں تو ان میں بھی ادائیگی اور تلفظ کا معمولی سا فرق ہے۔ تاہم اس امر پر ہم اپنی ایک الگ کتاب نامی "گکھڑ اور کھوکھر" میں تفصیل سے تحریر کریں گے۔

راجہ جے چند

کیدراج کے دور میں اس کے خلاف کئی بغاوتیں ہوئیں۔ حتیٰ کہ اس کی اپنی قوم (گکھڑ) نے بھی کابل اور قندھار کے وسطی کوہستانی اور جنگی علاقوں کی ایک قوم چوبیہ سے مل کر بغاوت کردی تھی۔ تاہم کیدراج ان باغیوں سے کچھ دے دلا کر

سمجھوتہ کرکے اقتدار پر قابض رہا۔ لیکن اس کے مرتے ہی پھر سے بغاوتیں پھوٹ پڑیں اور ان کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اس کے سپہ سالار جے چند نے حکومت پر قبضہ کرلیا 52۔ جے چند کا دور حکومت بغاوتوں اور افراتفری پر مشتمل رہا۔ یہ شخص ایرانی بادشاہ بہمن و داراب کا ہم عصر بتایا جاتا ہے۔ یاد رہے کہ یہاں داراب سے مشہور ایرانی بادشاہ دارائے اول مراد ہے۔ راجہ جے چند دارائے اول کا ہمیشہ وفادار رہا اور اسے متواتر خراج ادا کرتا رہا۔ یہ جے چند فوت ہوا تو اس کا بیٹا کمسن تھا اس کی بیوہ کافی عرصہ تک خود حکمرانی کرتی رہی۔ بالآخر اس کے امراء نے اسے معزول کردیا۔ اور اس کی جگہ ایک شخص دہلو نامی کو راجہ بنادیا۔ جے چند کے متعلق معلوم نہیں ہوسکا کہ اس کا تعلق کس قوم سے تھا؟ ممکن ہے راجپوتوں کے موجودہ چندر بنسی خاندان کا یہی بانی رہا ہو جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے۔ ہندوستان کی تاریخ میں جے چند سے پہلے کوئی ایسا راجہ نہیں گزرا جس کے نام کے آخر میں چند کا لفظ لگتا ہو۔ جیسا کہ بعد کے چندر بنسی راجاؤں کے نام کیساتھ یہ لفظ بطور لاحقہ لگایا جاتا تھا۔

راجہ دہلو

راجہ دہلو کے متعلق بھی یہ معلوم نہیں ہوسکا کہ کس قوم کا چشم و چراغ تھا؟ تاہم اس نے ہند پر کم عرصہ حکومت کی۔ اس کی زندگی میں ہی کمایوں کے علاقہ کا ایک سردار پورس اٹھا اور قنوج پر حملہ کرکے اس نے راجہ دہلو کو گرفتار کرلیا 53۔

راجہ پورس

یہ وہی مشہور راجہ پورس ہے جس نے سکندر المقدونی کے خلاف دریائے جہلم کے کنارے زبردست جنگ لڑی تھی اور شکست کھائی تھی۔ راجہ پورس کے بعد ہندوستان میں کوئی ایسا زبردست راجہ نہیں گزرا جس کا ان اوراق میں تذکرہ کیا جاسکے۔ البتہ یہاں طوائف الملوکی کا دور دورہ ہوگیا اور مختلف راجدھانیاں قائم ہوگئیں۔ یہ راجدھانیاں بے حد چھوٹی چھوٹی تھیں اور جو راجے ان پر قابض تھے ان میں سے خصوصاً راجپوت راجاؤں کا تذکرہ راجپوتوں کی ذیلی شاخوں کے عنوان کے تحت بیان کیا جائے گا۔

راجپوتوں کی بہادری

راجپوتوں کی بہادری کی داستانیں

تاریخ کے اوراق میں راجپوت سورماؤں کی بہادری کی ناقابل یقین داستانیں رقم ہیں۔ یہ قوم واقعی جانبازی و شجاعت میں اپنا ثانی نہیں رکھتی تھی۔ خصوصاً مسلمان حملہ آوروں کا مقابلہ اس قوم نے جس طرح کیا ہے وہ بس اسی کا خاصہ تھا۔ جب محمد بن قاسم نے پہلے پہل سندھ پر حملہ کیا تھا تو اس وقت وہاں کے حکمران برہمن تھے جبکہ رعایا زیادہ تر جاٹوں پر مشتمل تھی۔ لیکن جب مغربی دروں سے غزنوی اور ان کے بعد غوری حکمران حملہ آور اس خطہ میں داخل ہوئے تو ان کے یہاں کے راجپوتوں سے بڑے جاندار معرکے ہوئے اگرچہ اسوقت ہندوستان میں طوائف الملوکی کا دور دورہ تھا اور یہاں کوئی ایسی زبردست اور بڑی حکومت نہیں تھی جو کسی بیرونی حملہ آور فوج کا مقابلہ کر سکتی لیکن اس کے باوجود چھوٹی چھوٹی ریاستوں' جاگیروں اور راجدھانیوں میں بٹے ہوئے راجپوتوں نے بڑی بے جگری سے ان حملہ آوروں کی راہ روکی اور قدم قدم پر ان کا تلواروں سے استقبال کیا۔ اس عنوان کے تحت ہم محض ان چند مشہور لڑائیوں کا تذکرہ کریں گے جن میں راجپوتوں نے مسلم حملہ آوروں کے مقابلے میں اپنی لازوال بہادری کے جوہر دکھائے اور تاریخ کے صفحات پر اپنی جانبازی کے انمٹ نقوش چھوڑے۔

محمود غزنوی کے والد امیر سبکتگین نے پنجاب کے برہمن نژاد راجہ جے پال پر حملہ کیا۔ ملتان کی سرحد پر دونوں فوجوں کا آمنا سامنا ہوا اس جنگ میں امیر سبکتگین کا شہرہ آفاق اور لائق بیٹا سلطان محمود غزنوی مسلم لشکر کی کمانڈ کر رہا تھا۔ فریقین میں کئی روز تک مسلسل جنگ جاری رہی۔ راجپوت سورماؤں نے بے حد جوانمردی سے سلطان کا مقابلہ کیا تاہم چند دن کی لڑائی کے بعد انہیں اپنی شکست صاف نظر آنے لگی اور مسلمانوں کا لشکر ان پر حاوی ہونے لگا تو برہمن راجہ جے پال نے امیر سبکتگین سے کچھ ہاتھیوں' زر و جواہر اور تحفے تحائف کے عوض صلح کی درخواست کی۔ سلطان محمود غزنوی کی مخالفت کی بناء پر امیر سبکتگین نے یہ درخواست مسترد کردی تو راجہ جے پال نے ایک اور ایلچی کے ذریعے امیر سبکتگین کو حسب ذیل پیغام بھیجا۔ (یہ پیغام ہم تاریخ

فرشتہ سے نقل کر رہے ہیں) 54۔

" ابھی آپ اہل ہند اور خاص طور پر یہاں کے راجپوتوں کی جہالت اور تعصب کی حقیقت سے پوری طرح واقف نہیں ہیں۔ اس قوم کی جہالت اور بے فکری اس حد تک پہنچ چکی ہے کہ جب ان پر کوئی مصیبت آتی ہے (اور اس سے چھٹکارا حاصل کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں ہوتا) تو یہ آخر کار مجبور ہو کر یہ قدم اٹھاتے ہیں کہ اپنا تمام مال و اسباب اور بیش قیمت اشیاء مایوس ہو کر آگ کی نذر کر دیتے ہیں۔ اور اپنے اس فعل کو اپنی آخرت کی بہبودی تصور کرتے ہیں۔ لیکن اگر اس کے بعد بھی اپنی مصیبت سے چھٹکارا پانے کی انہیں کوئی راہ نظر نہیں آتی تو اپنے قدیم رواج کے مطابق اپنی عورتوں اور حرم سراؤں کو بھی نذر آتش کر دیتے ہیں اور پھر جب دیکھتے ہیں کہ ان کے پاس دنیاوی مال و متاع کچھ نہیں رہا تو پھر یہ دشمن سے زبردست معرکہ آرائی کرتے ہیں اور اس معرکہ آرائی میں اپنے آپ کو بالکل فنا کر دیتے ہیں اور ماسوائے مٹی کے ان کا نام و نشان کچھ باقی نہیں رہتا۔ اب ان کی مصیبت اس حد تک پہنچ چکی ہے کہ اپنے پرانے دستور کے مطابق عمل کریں۔ اگر آپ کو ان کی تباہی و بربادی منظور ہے تو خیر ورنہ آپ صلح کر کے ہم سب کو اپنا ممنون بنائیں۔"

تاریخ فرشتہ سے لئے گئے اس اقتباس سے راجپوتوں کی بہادری و جانبازی کا ہمیں مکمل اندازہ ہو جاتا ہے۔ انسانوں کے مابین عموماً جنگیں حسب ذیل مقاصد کے حصول کے لئے لڑی جاتی رہی ہیں۔

(۱) لوٹ مار کی خاطر

(۲) لونڈیاں و غلام حاصل کرنے کی خاطر

(۳) سلطنت کو وسعت دینے کی خاطر

(۴) اپنے مذہبی عقائد و نظریات کے پرچار کی خاطر

اب جہاں تک سلطنت کو وسعت دینے یا مذہبی عقائد کے پرچار کا تعلق ہے تو تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ غزنوی حملہ آوروں کا خالصتاً یہی مقصد وحید نہیں ہوتا تھا۔ اس بات کا سب سے بڑا اور واضح ثبوت یہ ہے کہ محمود غزنوی نے یہاں کبھی اپنی سلطنت قائم نہیں کی۔ بہرحال ان کا مقصد لوٹ مار کے علاوہ یہاں سے لونڈیاں، باندیاں اور غلام حاصل کرنا بھی ہوتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ راجہ جے پال نے اس مضمون کا خط امیر سبکتگین کو روانہ کیا۔ اسے یہ بتانا مقصود تھا کہ اگر آپ لوٹ مار کرنا چاہتے ہیں تو ہم برضا و رغبت آپ کو مال و متاع دے رہے ہیں اور اگر آپ اس پر راضی نہیں ہیں تو اس جنگ کے اختتام پر آپ کے ہاتھ کچھ بھی نہیں آئے گا۔ یعنی جہاں تک مال و زر کے حصول کا تعلق ہے تو سارے راجپوتوں کو اپنی شکست یقینی نظر آ رہی ہے سوائے صورت میں وہ اس بات پر تلے بیٹھے ہیں کہ اپنا تمام مال و متاع تلف کر دیں تاکہ ان کی شکست کی صورت میں دشمن کے ہاتھ کچھ نہ آئے۔ اور اگر آپ کا (امیر سبکتگین کا) مقصد یہاں کی نوجوان عورتوں کا حصول ہے تو وہ بھی کبھی پورا نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ جب راجپوت سورما یقین کر لیں گے کہ ان کے سامنے ماسوائے شکست کے کوئی اور راستہ باقی نہیں بچا تو وہ اپنی خواتین کو بھی تہ تیغ کر دیں گے تاکہ ان کے مرنے کے بعد وہ دشمن کے ہاتھ نہ آ سکیں۔ اس کے بعد آپ یہاں کے بہادر جوانوں کو بھی اس وجہ سے اپنا غلام نہیں بنا سکیں گے کہ وہ اپنی عورتیں اور اپنا مال و زر تلف کر دینے کے بعد سروں پر کفن باندھ کر میدان جنگ میں کود پڑیں گے اور لڑتے ہوئے اپنی جانیں جان آفریں کے سپرد کر دیں گے۔

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ امیر سبکتگین نے راجہ جے پال کے اس خط کو درست جانا اور اس کی رائے کو معقول تصور کرتے ہوئے اس کی پیشکش قبول کر لی۔ اسے معلوم تھا کہ لڑائی کا انجام وہی ہو گا جس کا تذکرہ راجہ جے پال اپنے پیغام میں کر چکا ہے۔ اور لڑائی کے بعد اس کے ہاتھ کچھ بھی نہیں آئے گا۔

راجہ جے پال جیسا کہ ہم بتا چکے ہیں ایک برہمن راجہ تھا لیکن اس کی رعایا اور خصوصاً فوج زیادہ تر راجپوتوں پر مشتمل تھی۔ جے پال نے اگرچہ امیر سبکتگین اور

اس کے بیٹے سلطان محمود غزنوی کا کئی بار مقابلہ کیا لیکن ہمیشہ شکست اس کا مقدر رہی۔ چنانچہ جے پال کی مسلمانوں کے ہاتھوں پے در پے شکستوں نے راجپوت سورماؤں کو اس سے متنفر کردیا اور انہوں نے اس کی کمانڈ میں لڑنے سے انکار کردیا۔ چنانچہ راجہ جے پال نے آگ میں چھلانگ لگا کر خودکشی کرلی اور اپنے جوان سال بیٹے آنند پال کو اپنا جانشین مقرر کردیا 55۔

اسی طرح ملتان کے قریب ۳۹۳ھ کے لگ بھگ سلطان محمود غزنوی کی غالباً ایک اور راجپوت راجہ بجے راؤ سے جنگ ہوئی۔ اس جنگ میں راجپوتوں نے اپنی عزیمت و بہادری کے ایسے جوہر دکھائے کہ سلطان محمود غزنوی کا کیل کانٹے سے لیس لشکر شکست کے قریب جا پہنچا۔ تاہم سلطان کی جنگی حکمت عملی کی وجہ سے اس جنگ میں بھی بجے راؤ کو شکست ہوگئی لیکن اس بہادر شخص نے اپنے دامن پر شکست کا داغ لگا کر مزید زندہ رہنا گوارہ نہ کیا اور اپنی ہی تلوار اپنے پیٹ میں گھونپ کر خودکشی کرلی 56۔

پشاور کے نواح میں راجہ جے پال کے بیٹے انند پال سے سلطان محمود غزنوی کا ایک جاندار معرکہ ہوا۔ اس معرکہ میں بھی راجپوتوں نے بہادری کے انمٹ نقوش تاریخ کے صفحات پر چھوڑے۔ اس جنگ کی اہم بات یہ تھی کہ راجپوت عورتوں نے بھی اپنے زیور اتار کر بیچ دئے اور شوہروں کو اسلحہ کی خریداری کے لئے رقم دے دی۔ اس معرکہ کارزار میں سلطان محمود نے راجپوتوں کے تیور دیکھ کر دفاعی حکمت عملی اختیار کی اور اپنی فوجوں کے سامنے خندق کھوددی تاکہ دشمن کے سورما ان تک پہنچ نہ سکیں۔ تاہم پہلے ہی حملہ میں کم و بیش تیس ہزار راجپوت خندق کے اندر داخل ہوگئے اور مسلمانوں کی ایک کثیر تعداد کو تہ تیغ کردیا۔ سلطان محمود غزنوی کو اس جنگ میں شکست یقینی نظر آرہی تھی کہ اچانک قسمت نے اس کی یاوری کی اور راجہ انند پال کا ہاتھی گولہ و بارود کی آوازوں سے بھڑک کر میدان جنگ سے بھاگ اٹھا۔ راجپوتوں نے سمجھا کہ شکست ہوگئی ہے اور یوں سراسیمگی کی وجہ سے ان کا لشکر منتشر ہو کر رہ گیا 57۔

سلطان محمود غزنوی کے ہاتھوں قلعہ منج کی فتح کا حال قلمبند کرتے ہوئے مورخ

محمد قاسم فرشتہ اپنی تاریخ میں یوں لکھتا ہے:۔ 58

"محمود نے اس قلعے کا محاصرہ کرلیا اور پندرہ روز تک قلعہ کشائی کی تدبیریں عمل میں لاتا رہا۔ اس دوران سلطان محمود نے قلعہ کا محاصرہ بڑی سختی سے کرکے تمام راستے مسدود کردیئے۔ جب اہل قلعہ کو یہ احساس ہوگیا کہ مسلمان قلعہ فتح کئے بغیر نہ رہیں گے تو ان میں سے بہتوں نے قلعے سے اتر کر اپنی جانیں اپنے ہاتھوں سے تلف کردیں۔ کچھ نے اپنے بال بچوں سمیت اپنے آپ کو نذر آتش کرلیا اور جو باقی بچے وہ قلعہ کا دروازہ کھول کر شمشیر بکف باہر نکل آئے۔ انہوں نے مسلمانوں سے مقابلہ کیا اور سب کے سب مسلمانوں کے ہاتھوں ہلاک ہوئے"

یاد رہے کہ قلعہ، منج راجپوتوں کے پاس تھا اور اس نسل کے راجپوت اب بھی پنجاب میں آباد ہیں۔ گویا راجپوت بہادر بیرونی حملہ آوروں کا مقابلہ کرتے ہوئے اپنے ہر شہر اور ہر قلعہ کو شالن گراڈ بنا دیتے تھے۔ اور فتح کے بعد دشمن کے ہاتھ ماسوائے خاک و خون میں لتھڑی لاشوں کے کچھ نہیں آتا تھا۔

اس طرح قنوج کے راجہ کورانے جب بغیر جنگ کے سلطان محمود غزنوی سے صلح کرلی تھی تو وہاں کے راجپوتوں نے اس پر لعن طعن کی بھرمار کردی اور اسکے خلاف پوری سلطنت میں لوگ اٹھ کھڑے ہوئے۔ چنانچہ کالنجر کے ایک راجہ نے راجہ کورا پر حملہ کردیا اور اسے فنا کے گھاٹ اتار دیا 59۔ راجپوت جہاں خود بلا کے بہادر تھے وہاں وہ یہ بھی نہیں چاہتے تھے کہ ان کا راجہ یا حکمران پست حوصلہ یا بزدل ہو ایسے راجہ کی اطاعت کرنے سے وہ علی الاعلان انکار کردیتے تھے۔

غزنویوں کے بعد غوری حکمرانوں کا دور آیا۔ شہاب الدین غوری نے جب ہند پر دھاوے کیے تو اس وقت دہلی کی حکومت راجپوتوں کے مشہور فرمانروا رائے پتھورا کے ہاتھوں میں تھی، رائے پتھورا نے ترائن کے میدان میں اپنے بھائی کھانڈے رائے کے ہمراہ پہلی جنگ میں ہی سلطان شہاب الدین غوری کو شکست فاش دی اور سلطان بعد از خرابی بسیار بمشکل جان بچا کر غزنی کی طرف واپس لوٹا 60۔ اگر سلطان شہاب

الدین کو تائید غیبی حاصل نہ ہوتی تو اس لڑائی کے بعد اس کا زندہ رہنا بے حد مشکل
تھا۔ اس لڑائی میں راجپوتوں نے جس جوانمردی و بہادری کے جوہر دکھائے وہ ہماری
عسکری تاریخ کا ایک بے حد اہم حصہ ہیں۔

غزنویوں، غوریوں، خلجیوں، لودھیوں، اور سوریوں میں سے کوئی بھی
حملہ آور یا ہند کا تاجدار راجپوتوں کو مکمل طور پر زیر نہ کرسکا اور یہ لوگ متواتر و پیہم
ان کی حکومتوں سے ٹکراتے رہے۔ مغلوں کا دور حکومت آیا تو اگرچہ انہوں نے یہاں
طویل عرصہ حکومت کی لیکن بابر و ہمایوں کے دور تک راجپوت راج مغلوں سے مکمل
طور پر زیر نہ ہوسکے تھے۔ اکبر اعظم نے البتہ راجپوتوں کو رشتہ داری کے بندھن میں
باندھ کر اپنا ہمنوا بنانے کی کامیاب کوشش کی۔ اکبر ہی نے جب چتوڑ کے قلعہ کا محاصرہ
کیا تھا تو وہاں کے راجپوتوں نے اپنی شکست کو یقینی جان کر اپنی پرانی رسم جانبازی
دہرائی۔ ان کی عورتیں بن سنور کر اور سولہ سنگھار کرکے بذات خود چتا کی آگ میں کود
کر خاکستر ہوگئیں۔ تمام مال و دولت کو انہوں نے آگ کی نذر کرکے تلف کردیا اور
تمام قابل جنگ راجپوت سروں پر کفن باندھ کر میدان جنگ میں نکل آئے۔ چتوڑ کی
فتح میں اکبر اعظم کو ماسوائے خاک و خون میں لتھڑی راجپوت سورماؤں کی لاشوں کے
کچھ ہاتھ نہ آیا 61 ۔ راجپوتوں کے بہادرانہ کارنامے ہندوستان کی عسکری تاریخ کا ایک
بے حد روشن باب ہیں۔ اگرچہ مغربی دروں سے جس زمانہ میں مسلمان حملہ آوروں کا
دور اس خطہ میں شروع ہوا اس وقت یہاں کے راجپوت چھوٹی چھوٹی اکائیوں اور
راجدھانیوں میں بٹے ہوئے تھے اور یہاں کوئی مستقل، منظم اور بڑی حکومت قائم
نہیں تھی۔ اس کے باوجود وہ مسلمانوں سے کئی صدیوں تک متواتر و پیہم ٹکراتے
رہے۔ اگر یہاں ان کی کوئی بڑی حکومت قائم ہوتی اور ان کا باہم اتفاق ہوتا تو کسی بھی
بیرونی حملہ آور کے لئے ان سورماؤں کا زیر کرنا تقریباً ناممکن تھا۔

ہوتا یوں تھا کہ مسلمان حملہ آور ان کے کسی ایک قلعہ یا شہر پر قبضہ کرلیتے
تھے اور کچھ ہی عرصہ بعد یہ لوگ اسے پھر سے واپس چھین لیتے تھے۔ یہ سلسلہ بڑے
لمبے عرصہ تک چلتا رہا اور اسی طرح راجپوتوں کی کئی نسلیں مرکھپ گئیں۔ حتیٰ کہ
آہستہ آہستہ ان کی ایک کثیر تعداد مسلمان ہوگئی۔ راجپوتوں کی مسلمانوں کے ساتھ

لڑائیوں اور ان کے بہادرانہ کارناموں سے تاریخ کی کتابیں بھری پڑی ہیں ہم ان سطور
میں ایک مشہور فرانسیسی مستشرق ڈاکٹر گستاؤلی بان کے الفاظ میں اس کا ایک سرسری سا
جائزہ پیش کرتے ہیں وہ تمدن ہند میں لکھتے ہیں کہ:۔ 62

"جس شجاعت کے ساتھ یہ (راجپوت) مسلمانوں سے لڑے ہیں
اور جیسے جیسے قلعہ بندیوں کے یہ متحمل ہوئے ہیں اس سے اس
قوم کی عظمت معلوم ہوتی ہے۔ ان محاصروں میں مشہور محاصرہ
چتوڑ کا ہے جس میں مرد لڑ مرے لیکن اپنے کو قید نہ ہونے دیا
اور عورتوں نے بھی وہ بہادری دکھائی جو شہرہ آفاق ہے۔ انہوں
نے مسلمانوں کے تصرف سے بچنے کے لئے ایک بڑا سا الاؤ بنایا
اور اس میں جل مریں راجپوت اپنی بہادری کی وجہ سے اقوام
ہنود میں جو عموماً بزدل ہیں نہایت سربر آوردہ ہیں جس وقت
مسلمان اس ملک میں آئے تو انہوں نے شمالی ہند میں ہر جگہ
راجپوتوں کا راج پایا۔ ان کی حکومت لاہور، دہلی، قنوج اور
اجودھیا و ثمرہ میں تھی۔ غرض ان کا راج سندھ، ستلج سے لے کر
آگرہ تک اور جنوب میں بندھیاچل تک تھا۔ یہ کہا جاسکتا ہے کہ
شمال و مغرب ہند کے یہی مالک تھے۔ جب مسلمانوں نے ان کو
شکست دی تو یہ راجپوتانہ کے ملک میں آبسے جو دشوار گزار بھی
تھا اور جس کی حفاظت بھی آسان تھی۔ راجپوتانہ میں اس وقت
انتیس ریاستیں ہیں جن میں سے سولہ کے حکمران راجپوت ہیں۔
ان میں سب سے بڑا درجہ مہاراجہ اودے پور کا ہے۔ عیسوی
چودھویں صدی تک راجپوت راج مسلمانوں کا مقابلہ کامیابی کے
ساتھ کرتے رہے لیکن جس وقت سے چتوڑ فتح ہوا ان کی قوت
گھٹ گئی اکبر نے راجپوت راجاؤں کو حکومت مغلیہ کا جزو بنالیا
اور ان کو اپنی فوج میں بڑے بڑے عہدے دئے ان کی لڑکیوں کو
اپنے عقد میں لایا اکبر کے جانشینوں نے بھی اس کی تقلید کی لیکن

اس کے ساتھ بھی راجپوت راجے نیم آزاد اور صرف سلطنت مغلیہ کے ماتحت ہی رہے"۔

گویا دہلی میں پرتھی راج کے شکست کھانے کے بعد بھی ان لوگوں نے راجپوتانہ جاکر نئی حکومت کی داغ بیل ڈالی۔ اگرچہ راجپوتانہ میں یہ مختلف چھوٹی چھوٹی ریاستوں اور راجدھانیوں میں بٹے ہوئے تھے اور مرکزی حکومت نام کی وہاں کوئی چیز نہ تھی تاہم اس کے باوجود ان لوگوں نے بڑی دیر تک اپنی آزادی و خود مختاری کو برقرار رکھا۔

راجپوت عموماً دہلی میں شہاب الدین غوری کے ہاتھوں "پرتھی راج" کی شکست کے بعد مسلمان ہونا شروع ہوئے۔ ان کے زیادہ تر گروہوں نے پنجاب کے صوفیوں اور مسلمانوں کے معروف روحانی پیشواؤں مثلاً حضرت فرید الدین گنج شکرؒ حضرت معین الدین چشتیؒ اجمیری، شیر شاہؒ آف بہاولپور، حضرت مخدوم جہانیاںؒ وغیرہم کے ہاتھوں اسلام قبول کیا۔ گویا راجپوتوں کے قبول اسلام میں کسی بادشاہ کا خاص عمل دخل نہیں ہے بلکہ یہ بہادر قوم خود اسلام سے متاثر ہو کر مسلمان ہوئی تھی۔

چوہان اگنی کل

چوہان اگنی کل

چوہان راجپوت پنجاب کے تقریباً تمام اضلاع میں آباد ہیں ۔ یوں تو چوہان راجپوتوں کی بے شمار ذیلی گوتیں ہیں جن کا تذکرہ ہم آئندہ صفحات میں الگ الگ کریں گے تاہم باقاعدہ چوہانوں کی تعداد بھی پنجاب میں بہت زیادہ ہے ۔ سب سے زیادہ چوہان ضلع گوجرانوالہ میں آباد ہیں ۔ دوسرے نمبر پر شاہ پور و سرگودھا میں ہیں جبکہ تیسرے نمبر پر راولپنڈی کے ضلع میں آباد ہیں ۔ لاہور ، جہلم ، گجرات ، ملتان ، مظفر گڑھ اور بہاولپور میں بھی ان کے لاتعداد خاندان بستے ہیں ۔ ضلع جھنگ اور چکوال میں بھی ان کے کئی خاندان ملتے ہیں۔

لفظ چوہان کی وجہ تسمیہ بے حد دلچسپ ہے ۔ اس ضمن میں یہ روایت بیان کی جاتی ہے کہ زمانہ قدیم میں ھندوؤں کے مقدس برھمن کوہ آبو (راجپوتانہ) پر عبادات کیا کرتے تھے ۔ اس علاقے کے مقامی باشندے جنہیں ھندی روایت راکھشش قرار دیتی ہے ان برھمنوں کو بے حد تنگ کیا کرتے تھے اور ان کی عبادات و مشاغل میں مخل ہوتے رہتے تھے ۔ وہ لوگ ان برھمنوں کی عبادت گاہوں کو بھی ناپاک و خراب کردیتے تھے ۔ برھمنوں نے ان مقامی لوگوں کی آئے دن کی ستم ظریفیوں سے تنگ آکر ایک اگنی کنڈ تیار کرکے مہادیو سے دعا کی کہ وہ انہیں ان راکھششوں کے ظلم اور شر سے نجات دلائے ۔ چنانچہ مہادیو نے ان کی دعا قبول کی اور آگ میں سے اس نے چار جوان پیدا کئے جن میں ایک کا نام سولنکی ، دوسرے کا پرمار ، تیسرے کا پریہار جبکہ چوتھے کا نام چوہامہ یا چاھمان تھا ۔ یہ چاروں نوجوان آگ سے یکے بعد دیگرے نمودار ہوئے ۔ جب چوہامہ یا چوھمان آگ میں سے نکلا تو اس کے چار ہاتھ تھے ۔ وہ آگ میں سے اس شان سے نکلا کہ اسے دیکھ کر برھمن عش عش کر اٹھے ۔ شہ زور پہلوانوں کی طرح اکڑتا ، دندناتا اور ڈنٹر پیلتا ہوا وہ آگ میں سے نمودار ہوا ۔ اس نوجوان کے چونکہ چار ہاتھ تھے اس بناء پر اسے چوہامہ یا چاھمان کا نام دیا گیا ۔ بعد میں یہی نام غلط الاستعمال ہوکر چوہان مشہور ہوگیا ۔ چنانچہ آگ سے پیدا ہونے والے ان چاروں نوجوانوں نے مقامی باشندوں پر حملہ کردیا اور انہیں تاراج کرکے رکھدیا ۔ آگ سے پیدا ہونے والے چوہان نامی شہ زور نوجوان کی اولادوں نے آگے چل کر چوہان راجپوت

قبیلے کی صورت اختیار کی۔

دہلی و اجمیر پر چوہان قوم کے لوگوں نے لمبا عرصہ حکومت کی ہے۔ ان کا آخری حکمران مشہور راجہ پرتھوی راج تھا۔ جسے شہاب الدین غوری نے شکست دی تھی۔ پرتھوی راج کو رائے پتھورا بھی کہا جاتا ہے۔ دہلی میں شہاب الدین غوری کے ہاتھوں شکست کھانے کے بعد چوہان خاندان کے لوگ وہاں سے کئی علاقوں کی طرف نقل مکانی کر گئے۔ زیادہ تر چوہانوں نے دریائے جمنا کو پار کیا اور سمبل و مراد آباد کے علاقوں میں آباد ہو گئے۔ اس علاقے میں کورو کشیتر کا وہ مشہور میدان ہے جہاں زمانہ قدیم میں کوروؤں اور پانڈوؤں کے مابین تاریخی لڑائی لڑی گئی تھی۔

بہلول لودھی کے دور میں چوہانوں کے مشترکہ سردار کا نام رانا ھری رائے یا رانا ھر رائے تھا۔ چوہان راجپوت دوسرے تمام راجپوتوں سے اپنے آپ کو افضل و برتر بتاتے ہیں۔ ان کے ماضی کی تاریخ او رقومی روایات بھی بے حد شاندار ہیں۔ اس خاندان کے شاندار ماضی سے متاثر ہو کر پنجاب کی کئی دیگر اقوام نے بھی چوہان کہلوانا شروع کر دیا ہے۔
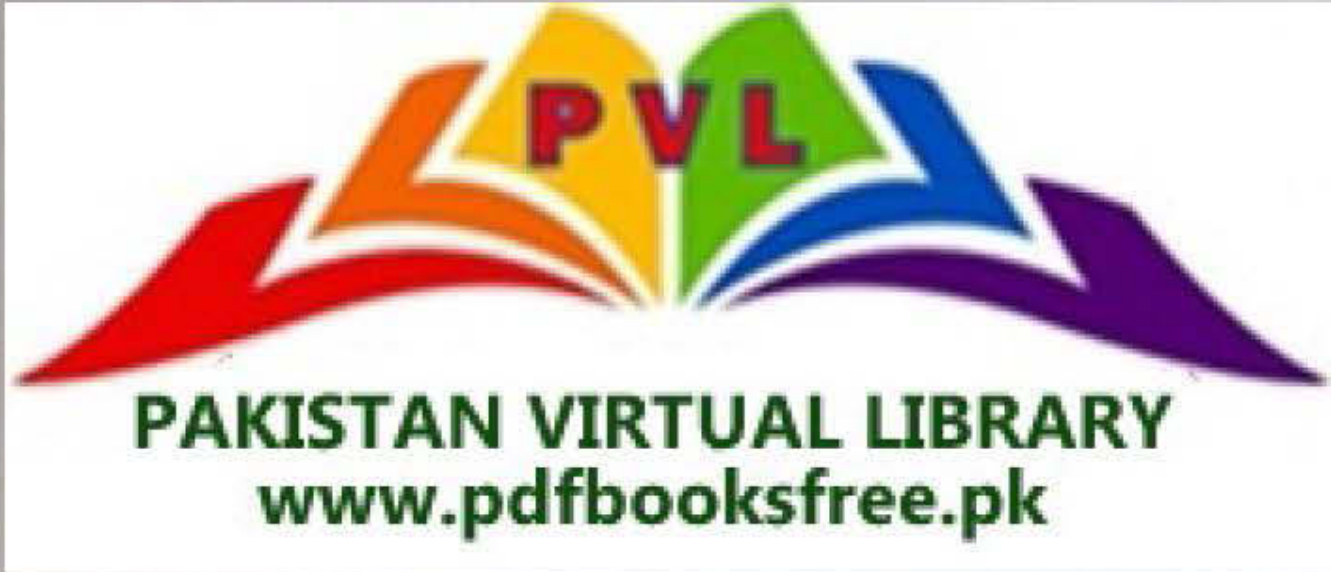
چوہان راجے

چوہان راجے

تاریخ فرشتہ میں حسب ذیل چوہان راجاؤں کے نام ملتے ہیں:۔ 63

(۱) راجہ مانک دیو (۲) راجہ دیوراج (۳) راجہ راول دیو (۴) راجہ جاہر دیو (۵) راجہ سہر دیو (۶) راجہ پتھورا (پرتھی راج)

علامہ ابوالفضل نے آئین اکبری میں ۷ چوہان راجاؤں کے نام اور ان کی مدت حکومت درج کی ہے جو حسب ذیل ہے:۔ 64

۱۔	راجہ بیسلدیو چوہان	۶ سال ۱ ماہ ۴ روز
۲۔	راجہ مرگنگو چوہان	۵ سال ۲ ماہ ۵ روز
۳۔	راجہ کھرپال چوہان	۲۰ سال ۱ ماہ ۵ روز
۴۔	راجہ سومیر چوہان	۷ سال ۴ ماہ ۸ روز
۵۔	راجہ ناگ دیو چوہان	۳ سال ۱ ماہ ۵ روز
۶۔	راجہ جاہر چوہان	۴ سال ۳ ماہ ۸ روز
۷۔	راجہ پتھورا چوہان	۴۹ سال ۵ ماہ ۱ روز

ممکن ہے متذکرہ بالا سات چوہان راجاؤں کا تعلق صرف تخت دہلی سے ہو جو چوہانوں نے پنوار راجپوتوں سے چھینا تھا۔ بہر صورت آئین اکبری کی رو سے مالوہ پر حکومت کرنے والے چوہان راجاؤں کی فہرست حسب ذیل ہے:۔ 65

۱۔	راجہ جگدیو چوہان	مدت حکومت ۱۰ سال
۲۔	راجہ جگناتھ چوہان	مدت حکومت ۱۰ سال
۳۔	راجہ ہردیو چوہان	مدت حکومت ۱۵ سال
۴۔	راجہ باس دیو چوہان	مدت حکومت ۱۲ سال
۵۔	راجہ سری دیو چوہان	مدت حکومت ۱۵ سال
۶۔	راجہ دھرم دیو چوہان	مدت حکومت ۱۴ سال
۷۔	راجہ بھلدیو چوہان	مدت حکومت ۱۰ سال
۸۔	راجہ نانک دیو چوہان	مدت حکومت ۹ سال

۹۔ راجہ کیرت دیو چوہان — مدت حکومت ۱۱ سال
۱۰۔ راجہ پتھورا چوہان — مدت حکومت ۲۱ سال
۱۱۔ راجہ مالدیو چوہان — مدت حکومت ۹ سال

اس لحاظ سے گویا چوہانوں نے ۹۵ سال چار ماہ تک حکمرانی کا لطف اٹھایا لیکن تاریخ راجستھان کے مصنف کرنل ٹوڈ نے چوہانوں کے شاہی خاندان کا جو شجرہ نسب مرتب کیا ہے اس میں ان کے پہلے راجہ انہل اول سے آخری راجہ رائے پتھورا (پرتھی راج) تک ۳۹ پشتوں کے نام درج ہیں چوہان خاندان کے ان تمام راجاؤں میں سے راجہ بیسلدیو اور راجہ پتھورا بہت زیادہ مشہور و معروف گزرے ہیں چنانچہ اس باب میں ہم صرف ان دو راجاؤں کے مختصراً حالات بیان کریں گے۔

راجہ بیسلدیو چوہان

ایک روایت کے مطابق راجہ بیسلدیو' چوہان راجاؤں کے سلسلہ کا چوتھا راجہ تھا۔ اس راجہ نے تمیریا تمر نسل کے لوگوں سے دہلی کا تخت چھینا تھا اور وہاں اپنی حکومت قائم کی تھی۔ اگر اس روایت کو مدنظر رکھا جائے تو راجہ بیسلدیو' چوہان راجاؤں کا گویا سرخیل تھا 66۔ ممکن ہے ان کا پہلا راجہ انہل کسی چھوٹی سی راجدھانی کا مالک رہا ہو۔ تاہم راجہ بیسلدیو چوہانوں میں سے پہلا بڑا راجہ بنا جس کا تذکرہ تاریخ کے صفحات میں ملتا ہے۔ اس راجہ کے دور حکومت کا تعین کرنا بے حد مشکل ہے کہا جاتا ہے کہ یہ راجہ علوم و فنون اور صنعت و حرفت کا بے حد دلدادہ تھا اور ان دونوں شعبوں نے اس کے دور میں کافی ترقی کی تھی۔ یہ راجہ خود بھی بہت بڑا عالم' فاضل اور ادیب تھا اس نے اپنی سلطنت کی کافی توسیع کی اور اسے مستحکم کرکے اندرونی شورشوں اور بیرونی حملہ آوروں سے بچائے رکھا۔

راجہ پرتھی راج چوہان

یہ راجہ ظاہر ہے چوہان راجاؤں میں سے سب سے آخری نامور راجہ تھا۔ اس نے دہلی میں اپنی سلطنت کو وسعت دے کر اسقدر مستحکم کردیا تھا کہ اس دور کے

بڑے بڑے فرمانروا اس سے کنی کتراتے تھے۔ گویا ہندوستان کے بڑے اور عظیم راجاؤں کی صف میں اسے کھڑا کیا جاسکتا ہے۔

یہ راجہ ۱۱۷۰ء میں دہلی کے تخت پر بیٹھا تھا۔ اس وقت چوہانوں کا موروثی تاج و تخت اجمیر تھا جبکہ دہلی اور اس کے نواح میں پنوار راجپوتوں کا پرچم شوکت و عظمت لہرا رہا تھا۔ دہلی پر پنوار راجپوتوں کے آخری حکمران اننگ پال کی چونکہ اولاد نرینہ نہیں تھی لہٰذا اس نے اپنے نواسے اور چوہان قوم کے چشم و چراغ راجہ پرتھی کو سلطنت دہلی کا وارث مقرر کیا تھا راجہ پرتھی یا رائے پتھورا نے انتظامی لحاظ سے سلطنت کو دو حصوں میں تقسیم کردیا تھا یعنی دہلی پر اس نے اپنے بھائی کھانڈے رائے کو حاکم بنایا تھا جبکہ مالوہ و اجمیر کے علاقے براہ راست اس کے اپنے کنٹرول میں تھے اس راجہ کے اقتدار میں چوہان راجپوتوں کے اقتدار کا سورج نصف النہار تک جا پہنچا تھا اور ہندوستان کے وسیع و عریض قطعے ان کی عملداری میں شامل ہوگئے تھے۔ اس دور کی ہند میں قائم چھوٹی چھوٹی راجدھانیاں اگرچہ نیم آزاد و خود مختار تھیں تاہم ان میں اتنا دم خم نہ تھا کہ رائے پتھورا جیسے مضبوط راجہ کے سامنے دم بھی مار سکتیں۔

یہ وہی مشہور رائے پتھورا یا پرتھی راج ہے جس کے ساتھ شہاب الدین غوری کے مشہور معرکے ہوئے تھے۔ پہلا معرکہ ۱۱۹۱ء میں ترائن کے مقام پر ہوا تھا جس میں سلطان شہاب الدین غوری کو زبردست شکست ہوئی تھی اور وہ تقریباً موت کے منہ سے بچا تھا اسی معرکہ کار زار میں سلطان شہاب الدین کے مدمقابل ہندوستان کے تمام چھوٹے بڑے راجاؤں کا کیل کانٹے سے لیس اتحادی لشکر تھا تاہم کچھ ہی عرصہ بعد سلطان شہاب الدین غوری نے دوبارہ رائے پتھورا کو للکارا اور اپنی شکست کا بدلہ لینے پھر ترائن کے مقام پر آپہنچا۔ راجپوتوں کے اتحادی لشکر نے پھر سے مسلمانوں کو تلواروں کے ذریعے خوش آمدید کہا اور اگرچہ لڑائی میں بے حد بہادری اور جوانمردی کے جوہر دکھائے تاہم اچانک رائے پتھورا کا بھائی کھانڈے رائے داد شجاعت دیتا ہوا میدان جنگ میں قتل ہوگیا جسکی بناء پر ہندی راجپوتوں کے لشکر میں بددلی پھیل گئی۔ رائے پتھورا نے اس نازک موقع پر بچ کر نکل جانے کی بڑی کوشش کی لیکن قسمت نے یاوری نہ کی اور وہ گرفتار کرلیا گیا۔ فتح و شکست سے قطع نظر اس امر میں کوئی کلام

نہیں کہ شہاب الدین غوری کے ساتھ جس جانفشانی اور بہادری سے راجپوتوں نے معرکہ آرائی کی وہ صرف اسی قوم کا خاصہ تھا چنانچہ شہاب الدین سے شکست کھانے کے بعد وہاں کے پنوار' چوہان اور دیگر راجپوت خانوادے ملک کے مختلف گوشوں میں منتشر ہو کر رہ گئے اور اس دور میں ان لوگوں نے اسلام بھی قبول کر لیا۔

چوہان ــ ذیلی شاخیں

چب۔ ڈوگر۔ منہاس وغیرہ

چب

راجپوتوں کی چب شاخ زیادہ تر گجرات میں آباد ہے ۔ جہلم ، سیالکوٹ ، لاہور ، راولپنڈی ، شاہ پور و سرگودھا میں بھی چب قوم کے لوگ خاطر خواہ تعداد میں آباد ہیں ۔ ان کے کچھ خاندان ملتان ، جھنگ ، مظفر گڑھ کے علاوہ بنوں و ہزارہ میں آباد ہیں ۔

چب راجپوتوں کی ایک قدیم قوم ہے ۔ اس قوم کا مرکز زمانہ قدیم سے ہی دریائے جہلم و بیاس کے مابین پھیلی ہوئی چھوٹی پہاڑیوں کا دامن رہا ہے ۔ ضلع گجرات میں کم و بیش پچاس دیہات میں چب قوم کی اکثریت آباد ہے ۔ ان علاقوں کی چب قوم تمام تر مسلمان ہے ۔ تاہم کانگڑہ (ھندوستان) اور جموں میں کئی غیر مسلم چب اقوام بھی آباد ہیں ۔ یہ لوگ اپنے جد امجد کا نام امیر چند بتاتے ہیں ۔ جس نے کانگڑہ (ھندوستان) کی کٹوچ نسل کے راجہ کی بیٹی سے شادی کرنے کا اعزاز حاصل کیا تھا ۔ راجہ مذکورہ کی وفات کے بعد اس کا تاج و تخت اسی امیر چند کو ملا تھا ۔ امیر چند کی اولاد آٹھ پشتوں تک کانگڑہ میں حکمران رہی ۔ اس سلسلے کا آخری حکمران چب چند تھا جو امیر چند کی آٹھویں پشت میں سے تھا ۔ یوں چب چند کی اولادیں "چب" کہلوائیں ۔ اس چب چند کا ایک بھائی اودے چند بھی تھا ۔ جس نے چب چند کو معزول کر کے حکومت پر قبضہ کرلیا تھا ۔ اپنے بھائی کی اس زیادتی پر چب چند خاموشی سے کانگڑہ کے علاقہ سے نقل مکانی کر کے بھمبر (آزاد کشمیر) کے موضع موچل پورہ میں جسے مغلواہ بھی کہتے ہیں آباد ہوگیا ۔ اس وقت بھمبر کے علاقہ میں راجہ سری پت نامی کی عملداری تھی ۔ چب چند چونکہ شاہی خاندان کا ایک فرد تھا لہٰذا راجہ سری پت نے اس کی بڑی آؤ بھگت کی اور اسے اپنی بیٹی نکاح میں دے دی ۔ راجہ سری پت نے اپنی بیٹی کے ہمراہ ایک گرانقدر جاگیر بھی راجہ چب چند کو دے دی ۔ لیکن راجہ چب چند اس جاگیر پر بھی قانع نہ ہوا اور اس نے راجہ سری پت سے حکومت و اقتدار چھین لینے کا تہیہ کرلیا ۔ چنانچہ اس نے راجہ سری پت کو مکمل اعتماد میں لے کر اس کی' اسکے تمام خاندان سمیت دعوت کی اور دھوکہ سے اسے تمام خاندان سمیت قتل کردیا اور اسکی جگہ خود راجہ بن بیٹھا ۔
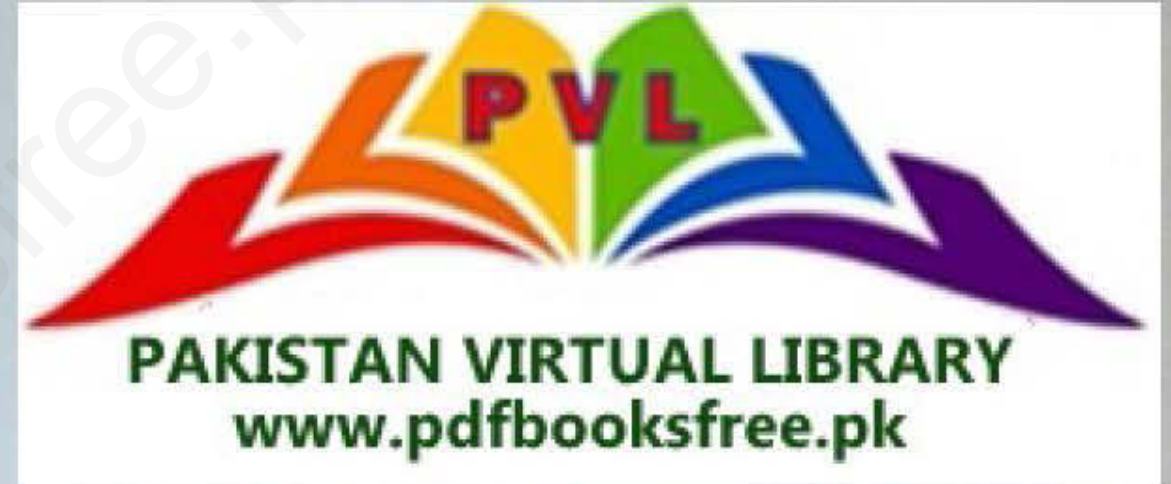
راجہ چپ چند کے بعد بھمبر کی حکومت اس کی نسلوں میں پشت در پشت چلتی رہی اور انہوں نے اپنی راجدھانی کو خوب وسعت دی ۔ جب مغل شہنشاہ بابر نے ھند پر حملہ کیا تو اس وقت بھمبر کی حکومت چپ چند کی نسل کے ایک شخص سادی نامی کے ہاتھ میں تھی ۔ جب سادی نے بابر کے حملہ کا سنا تو وہ فوراً اس کے حضور حاضر ہوگیا اور اسے اپنی مکمل وفاداری کا یقین دلایا ۔ صرف یہی نہیں بلکہ اس نے اپنا ھندو مذہب چھوڑ کر اسلام بھی قبول کرلیا اور اپنا اسلامی نام شاداب خان رکھ لیا ۔ بابر نے اس سے خوش ہوکر اسے بھمبر اور اس کے نواح کی جدی ریاست پر بحال رکھا۔ شاداب خان بھی تاحیات مغلوں کا وفادار رہا ۔ بالآخر شاداب خان قندھار کے ایک معروف پیر بیبت نامی کے ہاتھوں ایک لڑائی میں مارا گیا۔

چپ قوم کے لوگوں نے شاداب خان کو بھی بعد از مرگ پیر بنالیا اور اس کی قبر پر ایک شاندار مقبرہ تعمیر کردیا ۔ شاداب خان کی قبر آج بھی بھمبر کے قریب ایک متبرک زیارت گاہ کی حیثیت رکھتی ہے ۔ اس کا نام عام طور پر سور شادی شہید مشہور ہے ۔ حیرت اس امر پر ہے کہ اس قبر پر ھندو بھی منتیں ماننے آتے ہیں اور مسلمان بھی ۔ یہاں کی چپ قوم میں مدت مدید سے یہ رسم چلی آتی ہے کہ ان کے ہاں پیدا ہونے والے ہر بچے کے سر پر بالوں کی ایک چوٹی بنادی جاتی ہے اور اس کے والدین مزار پر جاکر گوناں گوں رسومات ادا کرنے کے بعد اس بچے کی چوٹی کاٹتے ہیں ۔ یہ رسم ادا کئے بغیر کوئی بچہ چپ نہیں بن سکتا ۔ ماضی میں یہ رسم چپ قوم میں ایسی ہی متبرک سمجھی جاتی تھی جیسے سکھوں میں پوہل لینے کی رسم ہے اور مسلمانوں میں ختنہ کرنے کی مذہبی رسم موجود ہے ۔ تاھم اب اس رسم کو پہلے والے تقدس و تبرک کا درجہ حاصل نہیں رہا ۔ راجہ چپ چند کا زمانہ چودھویں صدی عیسوی کے اوائل کا بیان کیا جاتا ہے۔

چبوں کے جد امجد چپ چند کے متعلق متذکرہ بالا واقعات پنجاب چیفس کے مصنف سر لیپل ایچ گریفن نے قلمبند کئے ہیں ۔ تاھم راجپوت قوم کے متعلق دیگر کتب تواریخ میں چپ چند کے حالات یوں بیان کئے گئے ہیں کہ ۔

" چپ چند کے والد بزرگوار کا نام نرائن چند جبکہ نرائن چند کے

والد کا نام راجہ میگھ چند تھا ۔ چپ چند کے بھائیوں کے نام دھرو چند ، ابو چند اور اجے چند تھے ۔ ان تمام بھائیوں میں سب سے بڑا چپ چند ہی تھا ۔ نرائن چند (چپ چند کے والد) کا تعلق کانگڑہ کے شاہی خاندان سے تھا ۔ اس نے بوجوہ کانگڑہ سے نقل مکانی کی اور دشوار گزار پہاڑوں کو طے کرتا ہوا جموں کی سنگلاخ سرزمین میں آپہنچا۔ کئی تاریخوں میں لکھا ہے کہ وہ شخص ہوس ملک گیری لے کر جموں میں آیا تھا جبکہ کئی کتب تواریخ اس بات کی نفی کرتی ہیں اور بتاتی ہیں کہ وہ انقلاب روزگار کے ہاتھوں تنگ آکر ترک وطن پر کمربستہ ہوا تھا ۔ بہرصورت نرائن چند نے اپنے بھائیوں کے ہمراہ بھمبر سے چار میل مشرق کی جانب موضع مغلواہ میں سکونت اختیار کی ۔ یہاں سکونت اختیار کرنے کے بعد نرائن چند نے اپنے ایک نوکر کو بہ امر مجبوری اپنے گھر کے زیورات وغیرہ دے کر بازار میں فروخت کرنے کے لئے روانہ کیا ۔ ان زیورات کی مالیت چونکہ بے حد زیادہ تھی اس لئے کسی بھی دکاندار میں انہیں خریدنے کی ہمت نہیں تھی ۔ چنانچہ اس امر کی اطلاع وہاں کے راجہ سری پت نامی کو ہوئی تو اس نے وہ تمام زیورات نقد رقم دے کر خرید لئے اور پھر اس خیال سے کہ زیورات کو فروخت کرنے والا یقیناً غیر معمولی لگتا ہے اسے اپنا شاہی مہمان بنالیا ۔ راجہ سری پت کا تعلق راجپوتوں کی تکیال قوم سے بتایا جاتا ہے جو اب بھی آزاد کشمیر میں آباد ہے ۔ راجہ سری پت نے نرائن چند کی بڑی آؤ بھگت کی اور اس کی خاندانی وجاہت سے متاثر ہوکر اپنی اکلوتی بیٹی اس کے بڑے بیٹے چپ چند سے بیاہ دی ۔ راجہ سری پت کے ہاں چونکہ کوئی اولاد نرینہ نہ تھی لہٰذا اس کی وفات پر اس کا داماد چپ چند راجہ بن بیٹھا ۔ اس پر تکیال قوم کے شاہی خانوادوں نے بغاوت کردی ۔ راجہ

چب چند خوب جانتا تھا کہ وہ طاقت کے ذریعے ٹھکیالوں کی اس بغاوت کو فرو نہیں کرسکتا لہٰذا اس نے صلح و صفائی کے بہانے راجہ سری پت کے تمام ورثاء و رشتہ داروں کی دعوت کی اور انہیں دھوکہ سے قتل کروادیا - اور یوں وہاں اپنی حکومت مستحکم کرلی -

ضلع گجرات میں چب قوم کے چیف فیملی چب آف پوتھی ہیں - یہ لوگ سکھا شاہی دور میں بھی بے حد اہمیت اور اثرو رسوخ کے حامل سمجھے جاتے تھے - حتیٰ کہ سکھوں کے سردار گوجر سنگھ بھنگی نے جب گجرات کا علاقہ گکھڑوں سے چھین کر اپنے کنٹرول میں لے لیا تھا تو اس وقت بھی چب قوم برابر ان کے خلاف برسرپیکار رہی اور سکھوں سے ٹکراتی رہی - اس قوم کے راجہ عمر خان نے اور اس کے بعد اس کے بیٹے امیر خان نے بے حد جوانمردی کے ساتھ سکھوں کا مقابلہ جاری رکھا - تاہم عمر خان کے فوت ہونے کے بعد چب قوم قدرے کمزور ہوگئی تھی - مہاراجہ رنجیت سنگھ نے بھی دیگر مسلمان اقوام کے برعکس چب قوم سے زیادہ چھیڑ چھاڑ نہ کی اور انہیں گوناں گوں مراعات سے نوازتا رہا - امیر خان چب سردار کے فوت ہونے کے بعد اس کے چھوٹے بھائی فضل داد خان اور اس کے بعد اسکی اولادوں میں اس قوم کی سرداری کا سلسلہ مدت تک قائم و دائم رہا - سکھوں کے بعد انگریزوں کے دور میں بھی اس قوم کی اہمیت کو تسلیم کیا گیا اور انہیں ان کی جاگیروں پر بحال رکھا گیا -

چب قوم کی ایک اور بڑی رئیس فیملی جہلم میں آباد ہے - اس فیملی کا دعویٰ ہے کہ وہ براہ راست راجہ شاداب خان یا شادی خان کی اولاد ہیں - وہی شادی خان جس نے مغل سلاطین کے دور میں نام پیدا کیا تھا اور جس کی ریاست میں بھمبر سے نوشہرہ تک کے علاقے شامل تھے - شہنشاہ اکبر کے دور تک یہ شادی خان زندہ رہا اور اکبر اعظم نے اسے ناظم کشمیر بھی مقرر کیا تھا - اکبر اعظم کی طرف سے یہ قندھار تک کئی مہمات میں حصہ لیتا رہا جن کے صلہ میں اکبر اعظم نے اسے شاہ دادان کا خطاب عطا فرمایا تھا -

سکھا شاہی دور میں اس قوم کا سردار راجہ سلطان خان نامی تھا - اس سلطان خان کے مہاراجہ رنجیت سنگھ سے بے حد دوستانہ مراسم تھے - کشمیر فتح کرنے کے لئے اس سلطان خان نے رنجیت سنگھ کی بہت زیادہ مدد کی تھی اور اسے ڈوگرہ جوانوں کی ایک گرانقدر تعداد بھیجی تھی - تاہم دھیان سنگھ اور گلاب سنگھ دل سے سلطان خان کے دشمن تھے اور اسکی ریاست کی وسعت اور اسکی بڑھتی ہوئی قوت کو اپنے لئے خطرہ سمجھتے تھے - انہی دونوں سکھ بھائیوں نے دھوکے سے راجہ سلطان خان کو دعوت کے بہانے جموں بلوایا تھا اور جب وہ نماز پڑھ رہا تھا تو اسے قتل کروادیا تھا - عین ممکن ہے کہ راجہ سلطان خان کے قتل کی سازش میں بذات خود مہاراجہ رنجیت سنگھ بھی ساتھ ہو - تاہم بعد میں بظاہر وہ دھیان سنگھ و گلاب سنگھ پر بے حد خفا ہوا اور سلطان خان کے بیٹے فیض طلب خان کو اس کی ریاست پر بحال رکھا -

انگریزوں کے دور میں بھی اس خاندان کی اہمیت کو تسلیم کیا گیا اور انہیں گوناں گوں مراعات حکومت برطانیہ کی طرف سے حاصل رہیں -

چب قوم جموں و کشمیر کے علاوہ پونچھ کے علاقہ میں خاطر خواہ تعداد میں آباد ہے - سکھوں کے دور میں دیگوار ملدیالان، تحصیل حویلی کا چب خاندان ممتاز حیثیت کا حامل تھا - اس خاندان کے سردار کا نام پیر بخش خان تھا - اسی پیر بخش کے دور میں پونچھ کے ایک حکمران راجہ میرباز خان نے چب خاندان کو زیر کرنے کے لئے اس کی ایک معزز خاتون کو زبردستی اپنے نکاح میں لے لیا تھا - یہ خاتون پیر بخش خان چب کی قریبی رشتہ دار تھی - چنانچہ پیر بخش خان چب نے راجہ میرباز خان کو قتل کردیا تھا - میرباز خان چونکہ مہاراجہ رنجیت سنگھ کا منظور نظر سردار تھا لہٰذا اس نے غصہ میں آکر پیر بخش خان کو بے حد عبرتناک سزا دی - اس نے پیر بخش کے ہاتھ پاؤں کٹوا کر اس کا زندہ جسم گرم ریت میں دبوادیا تھا اور یوں چب سردار بڑے عذاب کے ساتھ فوت ہوا -

نسلی اعتبار سے چب راجپوتوں کا تعلق جموال اور منہاس راجپوتوں سے ہے اور ظاہر ہے منہاس اور جموال اگئی کل چوہان ہیں لہٰذا چب قوم کی باقی ماندہ ماضی کی تاریخ وہی ہے جو ان دونوں اقوام کے ذیل میں بیان کی گئی ہے - جموں و پنجاب کے آپڑ کر

تمام چب خاندان راجہ میگھ چند والئے کانگڑہ کے بیٹے پرتاپ چند کی اولاد ہیں ۔ پرتاپ چند کے دو بیٹے تھے جن میں سے ایک کا نام کھڑک چند تھا۔ اسی کھڑک چند نے موضع کھڑی کڑیالی آباد کیا تھا 67 ۔

ڈوگر

ڈوگر پنجاب کے مختلف اضلاع میں آباد ہیں ۔ سیالکوٹ و لاہور میں ان کی اکثریت آباد ہے ۔ اسکے علاوہ گوجرانوالہ ' ساہیوال اور ملتان میں ان کے کئی خاندان آباد ہیں ۔ جبکہ ڈوگروں کے اکا دکا خاندان راولپنڈی ' جھنگ ' مظفر گڑھ اور بہاولپور میں بھی ملتے ہیں ۔ پنجاب کے علاوہ صوبہ سرحد میں ان کے کئی خاندان پشاور کے نواح میں بھی آباد ہیں جبکہ کشمیر میں بھی ان کی بہت زیادہ گڑھیاں ملتی ہیں ۔

پنجاب میں یہ لوگ دریائے ستلج کی بالائی وادیوں اور لاہور کے ساتھ ساتھ دریائے بیاس کے قریب آباد ہیں جبکہ مغربی جانب ان کی گڑھیاں سیالکوٹ سے کشمیر تک پھیلی ہوئی ہیں ۔

ڈوگر قوم کی اصل کے متعلق مختلف روایات بیان کی جاتی ہیں ۔ کوئی روایت انہیں پنوار راجپوت بتاتی ہے تو کوئی روایت ان کا سلسلہ نسب چوہان راجپوتوں سے جوڑتی ہے ۔ کئی روایات ایسی بھی ملتی ہیں کہ جو ڈوگروں کو سرے سے راجپوت تسلیم ہی نہیں کرتیں ۔ تاہم یہ غلط ہے بلاشبہ ڈوگر راجپوت ہیں ۔ اس بات کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ ان کا پیشہ سپاہ گری رہا ہے جو ھند کی راجپوت یا کھتری اقوام کے لئے مخصوص تھا۔ پرانے راجے مہاراجے اپنی فوج میں ڈوگر جوانوں کو خصوصی طور پر بھرتی کیا کرتے تھے چنانچہ ڈوگرہ افواج کی اہمیت ہر دور میں مستحکم رہی ہے ۔

پنجاب میں آباد ڈوگر غالباً دہلی کے نواح سے چند صدیاں پیشتر نقل مکانی کر کے یہاں آئے تھے ۔ سب سے پہلے یہ لوگ پاک پتن شریف کے نواح میں آباد ہوئے تھے ۔ ممکن ہے وہ دور بابا فرید گنج شکر ہی کا ہو اور انہی کے ہاتھ پر ان لوگوں نے اسلام قبول کیا ہو ۔ پاک پتن کے نواح میں آباد ہونے کے بعد یہ لوگ بتدریج دریائے ستلج

کے ساتھ ساتھ آباد ہوتے گئے۔ فیروز پور (ہندوستان) کے ڈوگروں کے متعلق روایت ہے کہ وہ بہلول کے دادا ماحو نامی کی اولاد ہیں ۔ بہلول (ڈوگروں کے جد امجد) کے تین بیٹے تھے جن کے نام بمبو ' لنگڑ اور سمو تھے ۔ فیروز پور (ھندوستان) کے ڈوگر اور ڈوگروں کی ایک شاخ ملانوالہ بمبو کی اولاد ہیں ۔ کھائی شاخ کے ڈوگر لنگڑ کی اولاد ہیں جبکہ قصور اور اس کے نواح میں آباد ڈوگر خاندان سمو کی اولاد ہیں ۔ تاھم ان کے علاوہ بھی ڈوگروں کی کئی ذیلی شاخیں ہیں ۔ جن میں سے پرچاٹ ' ٹوپورہ ' چوپورہ ' متیر ' پھینہ ' تگڑا ' ماہو اور چوکرا کافی مشہور ہیں ۔ ان میں سے چوپورہ علاقہ مندوٹ میں آباد ہیں ۔ فیروز پور کے ڈوگر اپنے آپ کو تمام ڈوگروں میں سے اعلیٰ و برتر خیال کرتے ہیں ۔ حتیٰ کہ اپنی بیٹیاں بھی ڈوگروں کی دیگر اقوام میں نہیں دیتے ۔

ڈوگر جوان بے حد خوبصورت اور لمبے تڑنگے مشہور ہیں ۔ ان لوگوں نے ہمیشہ آزاد زندگی بسر کی ہے اور عموماً پیشہ کاشتکاری سے دور رہے ہیں ۔ مال مویشی پالنا یا گلہ بانی ان کا محبوب مشغلہ رہا ہے اور ماضی میں زیادہ تر خانہ بدوش رہے ہیں ۔ مال مویشی اور بھینسیں پالنے کی بناء پر کئی روایات انہیں گوجر قوم کی ایک شاخ بھی بتاتی ہیں ۔ ملازمت کے سلسلے میں ان لوگوں نے ہمیشہ پیشہ سپاہ گری کو ترجیح دی ہے اور بے حد جنگجو و بہادر مشہور رہے ہیں ۔

ماضی میں ڈوگر دہلی کے علاوہ حصار اور سرسہ میں بھی آباد رہے ہیں ۔ فیروز پور (ھندوستان) بہ ما یہ ۱۷۶۰ء عیسوی میں داخل ہوئے اور وہاں باقاعدہ الگ ریاست بنالی جو ڈوگرہ ریاست کے نام سے مشہور ہوئی ۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے عہد میں جب سکھوں نے ان پر پے درپے یلغاریں شروع کیں تو انگریزوں نے انہیں باقاعدہ ایک الگ ریاست کے حقوق دے کر اپنے ساتھ ملا لیا تھا۔ یہ ۱۸۰۵ء کا ذکر ہے۔ ۱۸۳۵ء تک یہ انگریزوں کے حمایتی رہے اور رنجیت سنگھ کی یلغار سے بچے رہے۔

کشمیر کے علاقہ میں بھی ڈوگر کافی تعداد میں آباد ہیں۔ پنجاب کے آباد کار تمام ڈوگر مسلمان ہیں جبکہ کشمیر و جموں کے ڈوگروں میں مسلم و غیر مسلم دونوں قسم کے ڈوگر ملتے ہیں۔ قومیت کے اعتبار سے جموں و کشمیر کے ڈوگروں کی دو بڑی شاخیں ہیں۔ پہلی شاخ جے کاریہ راجپوت کہلاتی ہے۔ یہ وہ ڈوگر راجپوت ہیں جو پیشہ

کاشتکاری کو اپنی توہین سمجھتے ہیں اور ہل کو ہاتھ تک نہیں لگاتے۔ دوسری شاخ سلامیہ ڈوگر راجپوتوں کی ہے جو عموماً پیشہ کاشتکاری سے وابستہ ہیں۔ ان دونوں کا اگرچہ حسب و نسب ایک ہی ہے تاہم جے کاریہ راجپوت اپنے آپ کو سلامیہ راجپوتوں سے افضل تصور کرتے ہیں۔ زمانہ ماضی میں کشمیر کے ڈوگر راجپوتوں میں دختر کشی کی قبیح رسم بھی رہی ہے۔

۱۷۶۲ء میں جموں کا حکمران راجہ رنجیت دیو تھا۔ اس راجہ کے پاس بے حد طاقتور ڈوگرہ فوج تھی۔ اس دور میں احمد شاہ ابدالی کی طرف سے کشمیر میں راجہ سوکھ جیون مل اس کا عامل تھا۔ اس راجہ جیون مل نے کسی وجہ سے احمد شاہ ابدالی کے خلاف بغاوت کردی۔ احمد شاہ ابدالی نے اس کی سرکوبی کے لئے نورالدین خان کو ایک زبردست افغان فوج دے کر کشمیر بھیجا۔ جب راجہ سوکھ جیون مل کو اس کی اطلاع پہنچی تو اس نے جموں کے راجہ رنجیت دیو کو مدد کے لئے لکھا۔ راجہ رنجیت دیو نے اس کی مدد کے لئے ڈوگرہ راجپوتوں کی بے حد جنگجو فوج روانہ کی۔ چیرہ اوڈر کے مقام پر یہ لڑائی ہوئی۔ تاہم لڑائی کے شروع میں ہی ڈوگروں اور سوکھ جیون مل کی فوج کا مشترکہ کمانڈر بخت مل کافی جوانوں کے ہمراہ احمد شاہ ابدالی کی افغان فوج سے جا ملا جس کی بناء پر راجہ سوکھ جیون مل بدحواس ہو کر بھاگ کھڑا ہوا۔ مگر افغان فوج نے تعاقب کر کے اسے گرفتار کرلیا۔ ابدالی فوج کے کمانڈر نورالدین خان نے راجہ سوکھ جیون مل کی آنکھیں نکال کر اسے اندھا کردیا اور بادشاہ کے حضور بھیج دیا۔ احمد شاہ ابدالی نے اس بد نصیب کو ہاتھی کے پاؤں تلے کچلوا کر مروا ڈالا اور کشمیر کے علاقہ سے تمام ڈوگروں کو نکال دیا۔ اس کے بعد سکھوں کے عہد تک کوئی ڈوگر کشمیر میں آباد نہ ہو سکا۔ ۱۸۴۶ء میں جب کشمیر مہاراجہ گلاب سنگھ کے قبضہ قدرت میں آیا تو اس نے یہاں از سر نو ڈوگرہ قوم کے لوگوں کو آباد کرنا شروع کردیا 68۔

میاں راجپوت

میاں راجپوت کشمیر کے علاوہ پنجاب میں بھی آباد ہیں۔ خصوصاً" لاہور میں ان کے بے شمار خاندان آباد ہیں جو سماجی لحاظ سے یہاں نمایاں حیثیت کے حامل ہیں۔

تاریخی روایات ٹھاکر راجپوتوں اور میاں راجپوتوں کی اصل ایک ہی بتاتی ہیں اور انھیں ڈوگرہ راجپوتوں کی شاخ قرار دیتی ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ ۱۸۴۶ء سے قبل یہ ڈوگرہ کہلواتے تھے۔ لیکن جب مہاراجہ کشمیر گلاب سنگھ نے انھیں کشمیر میں آباد کرنا شروع کیا تو کشمیر کے پرگنہ دیو سر میں ڈوگروں کے کئی خاندانوں کو جاگیریں بخش دیں ان چھوٹی چھوٹی جاگیروں کے جو ڈوگرہ عامل مقرر کئے گئے انھوں نے اور ازاں بعد ان کے جانشینوں نے سرکاری کاغذات میں اپنے آپ کو میاں لکھوانا شروع کردیا تاکہ صاحبان اقتدار اور عام ڈوگروں میں فرق واضح کیا جاسکے۔ کشمیر کی ۱۸۹۱ء کی مردم شماری میں ڈوگروں کو میاں لکھا گیا ہے۔ اس لحاظ سے لاہور اور پنجاب کے دیگر میاں خانوادوں کی کم و بیش ماضی کی وہی تاریخ ہے جو ڈوگرہ راجپوتوں کے ضمن میں بیان کی جاچکی ہے۔ تاہم لاہور میں ارائیں برادری کے بھی کئی خاندان میاں کہلواتے ہیں 69۔

ٹھاکر راجپوت

ٹھاکر راجپوت بھی میاں راجپوتوں کی طرح ڈوگروں کی شاخ سمجھی جاتی ہے اور ڈوگروں کے متعلق ہم بیان کر آئے ہیں کہ ان کا تعلق چوہان راجپوتوں سے ہے 70۔

جموال

چوہان، ڈوگرہ، منہاس اور جموال یہ تمام راجپوت قبائل آپس میں بھائی بند ہیں۔ اور ان کا نسبی تعلق رام چندر جی کے بیٹے کشن سے ہے۔ جموال خاندان کی اصل کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ زمانہ قدیم میں چوہان اجودھیا کے حکمران تھے۔ راجہ اجودھیا کا ایک بھائی جس کا نام اگنی برن بتایا جاتا ہے، راج پاٹ اور شاہی آسائشیں ترک کر کے جوگی بن گیا اور اس نے اپنا نام بھی اگنی گر رکھ لیا۔ یہ اگنی گر کئی علاقوں کا سفر کرتا اور کانگڑہ سے ہوتا ہوا جموں کے علاقہ کٹھوعہ میں آنکلا۔ یہاں آکر اس نے محسوس کیا کہ اس علاقے میں کوئی مستحکم حکومت نہیں ہے اور طوائف الملوکی کا دور دورہ ہے۔ یہ دیکھ کر اسے پھر سے بادشاہت کا شوق پیدا ہوا اور اس نے یہاں کے چند دیہاتوں پر قبضہ کر کے ایک چھوٹی سے نئی ریاست بنالی۔ اس کی اولاد پشت در پشت اس

ریاست پر حکومت کرتی رہی۔ اس کی چھٹی پشت میں سے اگنی گر دوم پیدا ہوا۔ اس
اگنی گردوم کے اٹھارہ بیٹے تھے جن کے ناموں کے آخر میں لوچن کا لفظ آتا تھا۔ ان میں
سب سے بڑا بیٹا ماہولوچن تھا جو باپ کے بعد اس کا جانشین بنا۔ اس نے دریائے توی
کے کنارے ایک قلعہ اور شہر آباد کیا جس کا نام ماہو رکھا۔ ماہو لوچن راجہ پنجاب کے
ساتھ ایک لڑائی میں مارا گیا تو اس کا چھوٹا بھائی جامبو لوچن نامی تخت نشین ہوا۔ چنانچہ
اسی جامبو لوچن نے جموں کا شہر اپنے نام کی نسبت سے آباد کیا۔ جامبولوچن کی اولادوں
کا تعلق چونکہ شاہی گھرانے سے تھا لہٰذا وہ بھی اپنے باپ کی نسبت سے جموال
کہلائیں۔ جموال قوم کے متعلق ایک خیال یہ بھی ہے کہ کشمیر و جموں میں آباد ہونے
سے قبل وہ سیالکوٹ میں آباد رہے ہیں تاہم دوسرا خیال یہ ہے کہ یہ لوگ پہلے کشمیر
میں آباد ہوئے اور وہاں سے بعد میں سیالکوٹ آئے۔ جموال راجپوتوں میں اٹھارہویں
صدی عیسوی کے اواخر میں ان کا ایک راجہ رنجیت دیو بڑا نامور گزرا ہے۔ یہ وہ دور تھا
جب سکھ قوم طاقت پکڑ رہی تھی چنانچہ اس راجہ کو سکھوں سے پے درپے جنگیں لڑنا
پڑیں۔ یہ کافی عرصہ تک سکھوں کا مقابلہ بڑی دلیری و پامردی سے کرتا رہا۔ تاہم بعد
میں اس کا اپنا بیٹا برج رام دیو سکھوں سے مل گیا۔ چونکہ اپنے اس بیٹے کو راجہ رنجیت
دیو نے جائیداد سے عاق کردیا تھا لہٰذا اس نے اپنے باپ کے مقابلے میں سکھوں سے مدد
و اعانت طلب کرلی جس کی بناء پر جموال راجپوت سکھوں کے مقابلے میں پسپا ہوگئے
اور انہوں نے سالانہ خراج دینا منظور کرلیا تھا[71]۔

منہاس

منہاس راجپوتوں کی ایک عظیم شاخ کا نام ہے۔ یہ قوم پنجاب کے کم و بیش
تمام اضلاع میں آباد ہے۔ منہاس سب سے زیادہ ضلع جہلم اور اس کے نواح میں آباد
ہیں۔ دوسرے نمبر پر راولپنڈی کے ضلع میں آباد ہیں جبکہ آبادی کے لحاظ سے تیسرے
نمبر پر سیالکوٹ میں رہتے ہیں۔ ان اضلاع کے علاوہ یہ لوگ لاہور، گوجرانوالہ، گجرات،
شیخوپورہ، سرگودھا، شاہ پور، ملتان اور مظفر گڑھ کے علاوہ ڈیرہ اسماعیل خان، بنوں اور
ہزارہ میں بھی آباد ہیں۔

منہاس قوم کا تعلق چونکہ راجپوتوں کی اگنی کل شاخ چوہان سے ہے لہٰذا ان کی
ماضی بعید کی وہی تاریخ ہے جو چوہان راجپوتوں کی ہے۔ یہ قوم ماضی میں جموں و کشمیر
کے کئی علاقوں پر صدیوں تک حکمران رہی ہے۔ منہاس درحقیقت راجپوتوں کے جموال
خاندان ہی کی ایک شاخ ہیں۔ گویا نسل کے اعتبار سے جموال اور منہاس ایک ہی
شخص کی اولاد ہیں۔ اب یہ سوال کہ منہاس قوم جموال سے کب اور کیسے علیحدہ ہوئی
بے حد اہم ہے اس ضمن میں مختلف روایات کے جو تانے بانے ملتے ہیں ان کا لب
لباب یہ ہے کہ منہاس قوم راجہ جوگ راج نامی کی اولاد ہے جو راجہ جامبو لوچن بانی
شہر جموں (جس کا تذکرہ ہم جموال قوم کے ذیل میں کر آئے ہیں) کی ۶۲ ویں یا ۵۸ ویں
پشت میں سے تھا۔ اس راجہ جوگ راج کے دو بیٹے تھے۔ بڑے بیٹے کا نام جو باپ کا
جانشین بھی تھا ملن ھنس یا من ھنس تھا جبکہ چھوٹے بیٹے کا نام سورج ھنس تھا۔ راجہ
جوگ راج نے اپنی جاگیر اپنے ان دونوں بیٹوں کو الگ الگ بانٹ دی تھی۔ اس کے
بڑے بیٹے ملن ھنس یا من ھنس کو باپ کی وراثت میں سے جو جاگیر ملی تھی اس کی
اولادوں نے اس پر کھیتی باڑی شروع کردی۔ ایک روایت کے مطابق جموال چونکہ شاہی
خاندان تھا لہٰذا اس میں کھیتی باڑی کے پیشہ کو معیوب سمجھا جاتا تھا۔ چنانچہ جب من
ھنس کی اولادوں نے کھیتی باڑی شروع کی تو جموال قوم نے انہیں اپنی برادری سے باہر
نکال دیا جس کی وجہ سے منہاس (یعنی منہا کئے گئے یا نکالے گئے) مشہور ہوگئے۔

لیکن یہ روایت صحت کے اعتبار سے "قطعاً" غلط ہے۔ منہاس قوم کو منہاس
اس کے جد امجد "من ھنس" کے نام سے کہا جاتا ہے۔ لفظ "من ھنس" کثرت
استعمال سے "منہاس" بن گیا ہے۔ اس بات کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ منہاس
قوم کے اجداد ماضی قریب تک کشمیر کے کئی علاقوں پر حکمران رہے ہیں۔ اگر اس قوم
نے ابتداء ہی سے پیشہ کاشتکاری شروع کردیا تھا تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ قوم
انیسویں صدی عیسوی کے وسط تک جموں و کشمیر میں کیونکر حکمران رہی ہے اور حکمرانی
کے دور میں انہیں کھیتی باڑی کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ ان کا غالباً آخری فرمانروا
مہاراجہ جموں و کشمیر ہری سنگھ تھا۔

منہاس قوم کے جد امجد ملن ھنس یا من ھنس کا زمانہ ۴۰۰ بکری بمطابق

۴۵۷ء بتایا جاتا ہے۔ گویا مدت کے لحاظ سے یہ راجپوتوں کی بے حد قدیم قوم ہے۔
منہاس قوم کے اب بھی جموں و کشمیر کے علاقوں میں کافی خاندان آباد ہیں۔
سیالکوٹ کے منہاس راجپوت، راجہ چک دیو کی اولاد ہیں۔ راجہ چک دیو کے
دوسرے بیٹے رام دیو کے دو لڑکے سنگھا دیو اور بگو تھے ان دونوں کی اولادیں سیالکوٹ
میں آباد ہیں۔ بہر صورت منہاس قوم کے سات خاندان مشہور ہیں اور پنجاب میں جتنے
بھی منہاس آباد ہیں انہیں سات خاندانوں میں سے نکلے ہیں۔ منہاسوں کے سات
خاندانوں کی تفصیل حسب ذیل ہے 72۔

(۱) منہاس جسروٹیہ

پہلے پہل یہ خاندان جموال سے الگ ہو کر کشمیر میں موضع مالتی تحصیل سولی
میں آباد ہوا۔

(۲) براہ راست ملن ھنس کی اولاد

پہلے پہل یہ خاندان کشمیر میں چپراڑ، بھت اور پرگوال کے مقامات پر آباد ہوا۔

(۳) خاندان راجہ سنگرام دیو

یہ خاندان کانگڑہ اور گورداسپور میں آباد ہوا۔

(۴) خاندان راجہ چک دیو

یہ خاندان راجہ چک دیو کے دوسرے فرزند رام دیو سے نکلا ہے۔ رام دیو کے
دو بیٹے سنگا دیو اور بگو تھے۔ ان دونوں کی اولادیں سیالکوٹ، گورداسپور اور ہوشیار پور
میں آباد ہوئیں۔ اس خاندان کو مہتہ کا لقب بھی دیا جاتا ہے۔

(۵) راجہ برج دیو کے بیٹے امل دیو کا خاندان

یہ خاندان راجہ برج دیو کے دوسرے بیٹے امل دیو کی نسل سے ہے اور پہلے

پہل موضع سمبل پور میں آباد ہوا تھا۔

(۶) سیدو اور جنگھر دیو کے خاندان

راجہ برج دیو کے بیٹے راجہ نرسنگ دیو کے تین بیٹے تھے جن میں سے ایک
بیٹا راجہ ارجن دیو تو راج پاٹ کا مالک بنا جبکہ دوسرے دو بھائی جن کے نام سیدو اور
جنگھر دیو تھے ایک منہاس خاندان کے بانی بنے ان کی اولادیں مواضعات سم، توپ،
جنڑیالہ اور سوہانجنہ میں آباد ہوئیں۔

(۷) حکمان دیو کا خاندان

منہاس راجپوتوں کا یہ خاندان حکمان دیو کلیان دیو کی اولادوں پر مشتمل ہے جو
راجہ مالدیو کا چھوٹا بھائی تھا۔ راجہ مالدیو کی وفات ۱۵۱۳ء کے لگ بھگ ہوئی۔ یہ خاندان
پہلے پہل کشمیر کے علاقہ بلاوڑہ چندر کوٹ، عاقل پور اور کاستی گڑھ وغیرہ میں آباد ہوا۔
جموں کا مشہور راجہ عجائب دیو یا عجب دیو اسی خاندان کا چشم و چراغ تھا۔

منہاسوں کے متذکرہ بالا ساتوں خاندان ابتداء میں زیادہ تر کشمیر میں آباد ہوئے
تھے لہٰذا یہ بات یقینی حد تک درست ہے کہ یہ لوگ کشمیر سے پنجاب کی طرف نقل
مکانی کر کے آئے ہونگے۔ گویا پنجاب میں آباد تمام منہاس خاندان انہیں سات خاندانوں
کے ابناؤ اخلاف ہیں۔ اب بھی جموں و کشمیر میں منہاس قوم کی کئی گڑھیاں ملتی ہیں 73
۔

جرال

جرال قوم کا تعلق اگنی کل راجپوت خاندان سے ہے۔ یہ قوم راجوری (کشمیر) میں
صدیوں تک آزاد و خود مختار حکمران رہی ہے۔ ان کے جد امجد کا نام راجہ جیسر راؤ بتایا
جاتا ہے۔ گویا جیسر راؤ سے جرال کا لفظ ماخوذ ہے۔ راجہ جیسر راؤ کے متعلق روایت
ہے کہ وہ راجہ نکھہ کی اولادوں میں سے تھا۔ راجہ نکھہ مشہور پانڈو راجہ
پر تھمت کی اولادوں میں سے تھا۔ راجہ پر تھمت نے ٹیکسلا و لاہور پر بھی حکمرانی کی

ہے۔ یہ راجہ ارجن کا پوتا تھا۔ جرال قوم کے جد امجد جیسر راؤ کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ راجہ نکمبھ (والئی کلانور) کی آٹھویں پشت میں سے تھا۔ ایک روایت یہ بھی بیان کی جاتی ہے کہ جرال خاندان جرنامی راجپوت کی اولاد ہے جو رانا بھیٹ کے اٹھارہ بھائیوں میں سے ایک تھا۔ بہرکیف راجہ جیسر راؤ کی پانچویں پشت میں سے ایک شخص راجہ صاحب سینہ نے سب سے پہلے اسلام قبول کیا تھا۔ یہ ۵۷۶ھ بمطابق ۱۱۷۹ء کا واقعہ ہے۔ یہ دور شہاب الدین غوری کا تھا اور غالباً اس شخص نے شہاب الدین ہی کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ صاحب سینہ کے ہمراہ اس کے ایک بیٹے نیل سینہ نے بھی اسلام قبول کرلیا تھا اور شہاب الدین غوری نے صاحب سینہ کا اسلامی نام شیر افگن خان جبکہ نیل سینہ کا نورالدین خان رکھا تھا۔ اسی نور الدین خان نے ۱۱۹۴ء میں راجوری میں پال خاندان کے ایک حکمران راجہ امناپال کو شکست دے کر راجوری پر قبضہ کیا تھا اور اس کے بعد نورالدین کی اولادیں کم و بیش سات صدیوں تک متواتر راجوری کی حکمران رہیں۔ جرالوں کے اس خاندان کی حکومت کا خاتمہ مہاراجہ گلاب سنگھ والئی کشمیر کے دور میں ہوا۔

جرال خاندان وزیر آباد ضلع گوجرانوالہ میں بھی آباد ہے۔ اس کے کچھ خاندان ضلع کانگڑہ (ہندوستان) میں آباد ہیں۔ جبکہ کئی خاندان پونچھ و جموں و کشمیر میں بھی آباد ہیں۔

کئی جرال خاندان اپنے آپ کو مرزا بھی کہلواتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ مرزا کا خطاب اس قوم کے اجداد کو مغل شہنشاہ اکبر نے دیا تھا 74۔

سلہریا

پنجاب میں سلہریا راجپوتوں کا اصل مرکز ضلع سیالکوٹ کا علاقہ رہا ہے۔ سیالکوٹ میں ان کی بے شمار گڑھیاں و گاؤں آباد ہیں اور یہ لوگ یہاں کی آبادی کا خاطر خواہ حصہ سمجھے جاتے ہیں۔ اس قوم کے بے شمار خاندان ضلع لاہور میں بھی آباد ہیں۔ اس کے علاوہ ان کے اکا دکا خاندان گوجرانوالہ، راولپنڈی، جہلم، گجرات، سرگودھا، شاہ پور، ملتان اور مظفر گڑھ کے اضلاع میں بھی آباد ہیں۔ پنجاب کے علاوہ ان کے کئی

خاندان جموں و کشمیر میں بھی آباد ہیں اور صوبہ سرحد کے بنوں ضلع میں بھی سلہریا راجپوتوں کے چند خاندان ملتے ہیں۔

سلہریا راجپوتوں کی اصل کے متعلق مختلف و متضاد روایات ملتی ہیں ایک روایت یہ بیان کی جاتی ہے کہ یہ لوگ چندر بنسی راجپوتوں کی مشہور شاخ پٹھانیہ سے وجود پذیر ہوئے ہیں اور راجہ جسپال کے ایک فرزند راجہ سلیسو کی اولاد ہیں۔ راجہ سلیسو کا دور چودھویں صدی عیسوی کے اوائل کا تھا۔ لیکن یہ روایت غلط ہے اور محض راجہ سلیسو کے نام کی مناسبت سے گھڑی گئی ہے یعنی سلیسو سے سلہریا بنا دیا گیا ہے حقیقت یہ ہے کہ سلہریا خاندان راجہ سلیسو کے دور سے کئی سو سال پہلے بھی موجود تھا جس کا تذکرہ قدیم کتب تواریخ میں ملتا ہے یہ اس بات کا بین ثبوت ہے کہ یہ لوگ راجہ سلیسو کی اولاد ہرگز نہیں ہیں۔ راجہ سلیسو سے پہلے راجہ جے پال کا دور گزرا ہے جو خود سلہریہ خاندان کا چشم و چراغ تھا۔ یہ وہی راجہ جے پال ہے جس کے غزنوی حکمرانوں سے معرکے تاریخ ہند میں جلی حروف کے ساتھ لکھے جاتے ہیں۔ راجہ جے پال کے بعد اس کا جانشین راجہ انند پال تھا جو ظاہر ہے اسی سلہریہ خاندان ہی کا سپوت تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ سلہریہ خاندان قبل از تاریخ سے خطہ پنجاب میں آباد چلا آرہا ہے۔

کئی روایات ہمیں بتاتی ہیں کہ اس خاندان کے جد امجد کا نام راجہ سہیگل تھا راجہ سہیگل کا دور تو نامعلوم ہے تاہم کہا جاتا ہے کہ یہ ہندوستان کے قبل از مسیح کے مشہور راجہ چندر گپت کی اولادوں میں سے تھا۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو سلہریہ خاندان کی تاریخ بے حد درخشاں نظر آتی ہے اور یوں لگتا ہے کہ اس خاندان کے لوگوں نے پنجاب پر ہزار سال سے بھی زیادہ عرصہ تک حکمرانی کی ہے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ ان کا ایک بزرگ، سلطان ممداح آف دکن کا فوجی کمانڈر تھا جسے سلطان موصوف نے ایک بڑی فوج دے کر سیالکوٹ میں "شوجا" اور کھوکھر اقوام کی شورش رفع کرنے کے لئے بھیجا تھا۔ اس نے ان اقوام کو زیر کیا اور پھر یہیں مستقل طور پر آباد ہوگیا۔ اس کے ابناء و اخلاف اب بھی سیالکوٹ ضلع کے مشرقی سمت میں آباد چلے آرہے ہیں۔ سلہریہ قوم کے لوگ سلطان بہلول لودھی کے دور میں دولت اسلام سے مالا مال ہوئے۔ سیالکوٹ کی سلہریہ قوم کے راجپوتوں میں سے کئی خاندانوں

نے ماضی میں منہاس اور بھٹی راجپوت ہونے کے دعوے کیے ہیں لیکن یہ سب غلط ہیں۔ گورداسپور (انڈیا) کے کئی سلہریہ راجپوت آج بھی اپنے آپ کو باگڑی راجپوتوں کی ایک شاخ بتاتے ہیں لیکن حقیقت یہی ہے جو ہم نے درج کردی ہے۔ ان کا تعلق قبل از تاریخ کے مشہور ہندی فرمانروا چندر گپت کی نسل سے ہے۔ وہی چندر گپت جس نے سکندر اعظم کے گورنر سلیوکس کو شکست دی تھی اور اس کی بیٹی بیاہ لایا تھا۔ یونانیوں کو اس علاقے سے اسی نے نکالا تھا۔ بذات خود چندر گپت اور مشہور راجہ سہیگل کا تعلق بلاشبہ راجپوتوں کے سورج بنسی خاندان سے رہا ہوگا۔ اور غالب امکان ہے کہ وہ سورج بنسیوں کی چوہان شاخ کا گل سر سبد تھا75۔

کھچی

کھچی قوم کی اکثریت ملتان اور ساہیوال کے درمیانی علاقوں میں آباد ہے۔ جھنگ اور لاہور کے اضلاع میں بھی یہ کافی تعداد میں آباد ہیں۔ جبکہ ان کے بے شمار خاندان گوجرانوالہ، شاہ پور، سرگودھا اور بہاولپور کے اضلاع میں آباد ہیں۔ علاوہ ازیں ان کے خاندان ضلع جہلم، گجرات اور مظفر گڑھ میں بھی پائے جاتے ہیں۔ پنجاب کے علاوہ یہ لوگ ڈیرہ اسماعیل خان اور ڈیرہ غازی خان میں بھی آباد ہیں۔

حسب و نسب کے لحاظ سے کھچی راجپوت ہیں۔ ان کے جد امجد کا نام کھچی یا کھچی خان بتایا جاتا ہے۔ یہ شخص اجمیر کا حاکم تھا اور دربار دہلی میں بھی اس کی رسائی تھی۔ جب دہلی کے چوہان راجپوت حکمرانوں کو مسلم حملہ آوروں کے ہاتھوں شکست ہوگئی تو اس کھچی کی اولادیں بھی بکھر گئیں۔ تاہم مغل حکمرانوں کے دور میں کھچی کی اولادوں میں سے دو شخص جن کے نام بیسان اور وادان بتائے جاتے ہیں نقل مکانی کرکے ملتان میں وارد ہوئے۔ یہ دونوں یعنی بیسان اور وادان آپس میں سگے بھائی تھے۔ ملتان کے علاقہ میں آکر بیسان نے فدہ گاؤں آباد کیا جبکہ وادان نے شیر گڑھ کی بنیاد ڈالی۔ اس علاقہ میں اس قوم نے جوئیہ قوم کے ساتھ جنگ بھی کی تھی۔ اس دور میں ان کے سرداروں کے نام لونا کھچی، بخی دلیل خان اور علی خان تھے۔ کھچی قوم میں ان تینوں سرداروں کے نام آج بھی عزت و احترام سے لئے جاتے ہیں۔

ایک اور روایت اس قوم کی مغربی پنجاب میں آباد کاری کے متعلق یہ بھی ملتی ہے کہ مغل دور حکومت میں ان کے دو سردار حسین خان اور حاجی فتح خان پہلے پہل اس علاقہ میں آئے تھے۔ یہ دونوں سردار آپس میں سگے بھائی تھے اور مغل فوج کے عہدیدار بھی تھے۔ ان دونوں بھائیوں کو کسی مغل حکمران نے مغربی پنجاب میں بلوچوں کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا تھا۔ ان دونوں نے بلوچوں کو شکست دی اور پھر یہیں آباد ہوگئے۔ بہرکیف یہ واقعہ تاریخ کی کسی کتاب میں ہمیں نہیں ملتا۔ ممکن ہے ان کے دو سرداروں بیسان اور وادان نے مغل دور میں اسلام قبول کیا ہو اور ان کے اسلامی نام حسین خان اور فتح خان رکھے گئے ہوں؟

سکھوں کے دور میں کھچی قوم کی سکھوں سے لڑائی مشہور ہے۔ انہوں نے سکھوں کے سردار گنڈا سنگھ اور جھنڈا سنگھ کا بڑی پامردی سے مقابلہ کیا تھا۔ یہ الگ بات کہ اس جنگ میں انہیں بے حد جانی نقصان اٹھانا پڑا تھا۔ کھچی قوم اب بھی میلسی اور اس کے نواحی علاقوں میں کافی تعداد میں آباد ہے اور اس علاقے میں سماجی لحاظ سے انہیں نمایاں و بلند مقام حاصل ہے۔ انگریز دور میں ان کے سردار نور محمد آف فدہ اور اعظم خان آف علی واہ کافی مشہور تھے۔ تحصیل میلسی ضلع ملتان کے کھچی قوم کے خاندانوں میں یہ روایت مشہور ہے کہ وہ لوگ ساہن پال نامی ایک شخص کی اولاد ہیں اور پہلے پہل حلیم کھچی میں آباد ہوئے تھے۔ بعد میں ان کے خاندان کے ایک بزرگ صوبیدار رائے لونا یہاں آکر مقیم ہوئے تھے۔ مغل بادشاہوں کے عہد میں ان کے سرداروں نے کافی عروج حاصل کیا تھا۔ ان کے سردار حسین خان بھی اور حاجی فتح خان کھچی نے مغل دور میں بلوچوں کے خلاف جنگی خدمات سرانجام دی تھیں۔ میلسی کا شہر بھی اس قوم کے ایک بزرگ میلسی نامی نے آباد کیا تھا۔ اس کے علاوہ کی دیگر مواضعات بشمول سرگانہ، فدہ، علی واہ غلام حسین، عمر کھچی، حلیم کھچی، جنگل سکندر آباد، ڈھمکی و ترکی وغیرہ ان میں مشہور سردار علی خان کھچی نے علی واہ آباد کیا تھا۔ انگریز دور میں ذیلدار بھی رہے ہیں76۔

گوندل

گوندل قوم پنجاب کے تقریباً تمام اضلاع میں آباد ہے۔ ان کے کئی خاندان ڈیرہ

جاٹ ڈوہن اور بنوں میں بھی آباد ہیں۔ سب سے زیادہ گجرات میں آباد ہیں، دوسرے
نمبر پر شاہ پور و سرگودھا کے اضلاع میں آباد ہیں۔ جہلم، گوجرانوالہ اور جھنگ میں بھی
ان کی کافی گڑھیاں ملتی ہیں۔ سیالکوٹ میں بھی ان کی آبادی خاطر خواہ ہے۔ جبکہ
راولپنڈی، لاہور، ملتان، ساہیوال، مظفر گڑھ میں بھی ان کے کئی خاندان آباد ہیں۔ ضلع
گجرات میں وڑائچ جاٹوں کے بعد آبادی کے لحاظ سے دوسرا نمبر گوندل قوم کے آباد
کاروں کا ہے۔ ان کا مرکز شروع سے ہی شاہ پور، سرگودھا اور گجرات کے درمیان
دریائے جہلم و چناب کی درمیانی پٹی رہا ہے۔ اس علاقہ کو ماضی میں گوندل بار کہا
جاتا تھا۔ یہ لوگ کانگڑہ اور ہوشیار پور (انڈیا) میں بھی کافی تعداد میں آباد رہے ہیں۔
گوندل اپنا شجرہ نسب چوہان راجپوتوں سے ملاتے ہیں۔ مسٹر اینڈرسن کا خیال
ہے کہ یہ لوگ غالباً برہمنوں کی ایک شاخ گوترا سے تعلق رکھتے ہیں۔ تاہم مسٹر
اینڈرسن کے اس خیال کی تائید کسی اور مورخ نے نہیں کی۔ جہاں تک برہمنوں کی
گوترا شاخ کا تعلق ہے تو معلوم نہیں یہ شاخ مسٹر اینڈرسن نے کہاں سے نکالی ہے؟
ھندی برہمنوں کی گوتوں میں اس کا کہیں بھی ذکر نہیں ملتا۔ گویا مسٹر اینڈرسن اپنے اس
خیال میں اکیلے ہیں۔ کانگڑہ (انڈیا) کے کئی گوندل اپنا حسب و نسب راجپوتوں کی ایک
اور گوت پتھیال سے بھی جوڑتے ہیں۔ تاہم درست بات یہی ہے کہ یہ قوم چوہان
راجپوتوں کی ایک ذیلی شاخ ہے۔ گوندل قوم کی اپنی روایت کے مطابق ان کا جد امجد
نوشہرہ سے آکر پاک پتن شریف کے جنوب میں آباد ہوا تھا اور ازاں بعد اس نے بابا
فرید گنج شکر کے ہاتھ پر اسلام قبول کرلیا تھا۔ گجرات شاہ پور اور سرگودھا کے علاقہ میں
یہ لوگ غالباً چودھویں صدی عیسوی کے اوائل میں آباد ہوئے تھے۔ یہاں پر مقامی
ہونے سے پہلے یہ لوگ خانہ بدوش تھے اور مال مویشی ان کی کل کائنات تھی۔ اب بھی
یہ لوگ گاؤں کو ڈھوک کہتے ہیں جس کا مطلب مویشیوں کے باندھنے کی جگہ ہے 77۔

ناگری

ناگری قوم زیادہ تر سیالکوٹ کے علاقہ میں آباد ہے۔ جہاں اس قوم کے کم و

بیش سترہ گاؤں ملتے ہیں۔ یہ قوم چونکہ زیادہ تر پیشہ کاشتکاری سے وابستہ ہے لہٰذا مقامی
لوگ انہیں جاٹ کہتے ہیں۔ لیکن اس قوم کا نسلی تعلق چوہان راجپوتوں سے ہے اور
ظاہر ہے اس لحاظ سے یہ بھی اگنی کل ہیں۔
چوہان راجپوتوں کی طرح اس قوم کا بھی قدیم وطن دہلی تھا اور وہاں یہ لوگ
اپنے چوہان بھائی بندوں کے ساتھ مدت مدید تک حکمرانی کرتے رہے اور جب سلطان
شہاب الدین غوری کے ہاتھوں ان کے آخری حکمران رائے پتھورا نے شکست کھائی تو
یہ لوگ دہلی سے نقل مکانی کرکے گرد و نواح کے علاقوں میں منتشر ہوگئے اسی دور میں
چوہان راجپوتوں کی یہ شاخ ناگری بھی مشرقی پنجاب میں داخل ہوئی اور سیالکوٹ میں آکر
آباد ہوگئی۔ ان کی باقی ماندہ تاریخ وہی ہے جو چوہان کے ذیل میں بیان کی جاچکی ہے 78
۔

پتھیال

پتھیال خاندان انڈیا میں کانگڑہ جالندھر اور ہوشیار پور کے علاقوں میں آباد ہے۔
جبکہ یہ لوگ راولپنڈی کے ضلع میں بھی پائے جاتے ہیں۔ یہ گوندل راجپوت کی ایک
چھوٹی و ذیلی شاخ ہیں لہٰذا ان کی تاریخ بھی کم و بیش وہی ہے جو گوندل اور چوہان
راجپوتوں کے عنوان سے بیان کی جاچکی ہے 79۔

باہروال

گجرات میں باہروال راجپوت ایک قوم آباد ہے۔ اس کا تعلق چوہان راجپوتوں
کے خاندان سے ہے۔ اس قوم کے نام "باہروال" کی وجہ تسمیہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ
چوہان راجپوت فیملی کے ایک چشم و چراغ میرتھ نامی کے چار بیٹے تھے جن کے نام نانو،
بریوا، کھریوالہ اور کانو تھے۔ یہ تمام غیر مسلم تھے۔ ان میں سے متوخر الذکر یعنی کانو
مسلمان ہوگیا جس کی وجہ سے تمام بھائی اس کے مخالف ہوگئے اس کے ساتھ معاشرتی
مقاطع کرلیا اور اسے اپنی قوم سے نکال باہر کیا۔ اسی وجہ سے مسمی کانو اور اسکی اولادیں
"باہروال" یعنی (ذات برادری سے) باہر نکالے گئے مشہور ہوگئیں۔ یہ غالباً محمود غزنوی

کے دور کا واقعہ ہے۔ چنانچہ اپنی ذات برادری کی پرواہ کئے بغیر یہ نو مسلم کانو اپنے اصلی علاقے سے نقل مکانی کر کے گجرات میں آکر آباد ہو گیا۔ مسمی کانو کی اس نقل مکانی کو از روئے اسلام بلاشبہ ہجرت کا درجہ حاصل ہے۔ اس لئے کہ اس نے یہ نقل مکانی خدا کی راہ میں کی تھی۔ گجرات میں باہروال ایک موضع بھی اس قوم کے نام سے آباد ہے جو غالباً اس قوم کے اسلاف نے آباد کیا تھا 80۔

بھینڈر

بھینڈر چوہان راجپوتوں کی ایک چھوٹی سی ذیلی شاخ ہے جو گجرات کے ضلع میں آباد ہے۔ اس قوم کے مورث اعلیٰ کا نام بھینڈر تھا۔ اس بھینڈر کی اولادوں میں سے کوئی شخص گجرات کے علاقہ میں آیا تھا جہاں ایک موضع بھی اسی قوم کے نام سے آباد ہے۔ یہ لوگ موضع فتح پور ہنگ اور نندوال میں بھی آباد ہیں 81۔

چیچی

چیچی قوم سورج بنسی چوہان ہے اور ان کا نسبی تعلق راجہ جگدیو سے ہے۔ راجہ جگدیو ہی کی اولادوں میں سے ایک شخص کا نام راجہ چیچی تھا اور یہی اس خاندان کا مورث اعلیٰ گزرا ہے۔ راجہ چیچی کی اولادوں میں سے کسی شخص نے سلطان مسعود غزنوی کی فوج میں شرکت کی تھی اور مسلمان ہو گیا تھا۔ اس مسلمان چیچی کی اولاد بعد میں پنجاب کے مختلف علاقوں میں آباد ہو گئی۔ گجرات میں ان کے نام پر ایک موضع چیچی مشہور ہے۔ ماضی میں اس قوم کا ایک سردار لکھن خان جوانمرد و مشہور گزرا ہے جو اپنے علاقہ کا چودھری وڈیرا بھی تھا۔ اس لکھن خان کے گیارہ بیٹے تھے جو پنجاب اور سرحد کے علاقوں میں آباد ہو گئے تھے۔
چیچی خاندان کی ایک شاخ ڈانگی چیچی ہندوستان میں انبالہ کے قریب بھی آباد ہے۔ جو انہی لوگوں کے بھائی بند ہیں۔ چیچی چونکہ نسل کے اعتبار سے چوہان ہیں لہٰذا ماضی میں اس خاندان کے اپنے بھائی بند چوہانوں سے رشتے ناطے بھی رہے ہیں اس خاندان نے ماضی میں کئی نامور لوگ پیدا کئے ہیں۔ غالباً ضلع جہلم و

راولپنڈی میں بھی اس خاندان کے باقیات آباد ہیں 82۔

ڈھینڈہ

ڈھینڈہ منہاس راجپوتوں کی ایک ذیلی گوت ہے جو گجرات کے ضلع میں آباد ہے۔ ان کے مورث اعلیٰ کا نام ڈھینڈہ بتایا جاتا ہے۔ ان کا مورث اعلیٰ مسمی ڈھینڈہ ہندوستان سے پنجاب میں نامعلوم دور میں آیا تھا۔ پنجاب سے وہ جموں کے علاقہ میں نقل مکانی کر گیا تھا۔ جموں سے اس خاندان کے کچھ لوگ تو بعد میں نقل مکانی کر کے ہزارہ ضلع میں اور کچھ گجرات کے ضلع میں آباد ہو گئے تھے۔ ضلع ہزارہ میں ایک گاؤں ڈھینڈہ اس قوم کا آباد کردہ ہے۔ جبکہ گجرات کے ضلع میں ان کے آباد کردہ گاؤں ڈھینڈہ خورد، ڈھینڈہ کلاں، حسن ڈھینڈہ اور کوٹلہ ڈھینڈہ وغیرہ ہیں یہ بہت بہادر اور جفاکش قوم ہے 83۔

سیہریا سہر

یہ قوم بھی سورج بنسی راجپوتوں سے تعلق رکھتی ہے سہر نامی ان کا ایک جد امجد گزرا ہے۔ ضلع گجرات و کھاریاں میں اس قوم کے باقیات ملتے ہیں۔ گجرات میں یہ قوم مختلف مقامات پر آباد ہے۔ اس قوم کے آباد کردہ دو مواضع نبی سہر اور سیرو بھی ہیں 84۔

سہو چوہان

چوہان خاندان کی ایک شاخ سہو موضع سوری تحصیل کبیر والہ میں آباد ہے۔ روایت ہے کہ شہاب الدین غوری کے عہد میں جب ان کے جد امجد رائے پتھورا کو شکست ہوئی تو ان کے خاندان کے ایک بزرگ سہو نامی نے حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا تھا۔ چنانچہ اس سہو کی اولادیں سہو چوہان مشہور ہوئیں۔ اس خاندان میں کئی صوفیاء گزرے ہیں جن میں سے خواجہ اللہ ولو بمقام شیخ فاضل ضلع خانیوال شیخ ملکہ صاحب تحصیل خانیوال بے حد شہرت رکھتے ہیں۔

کہتے ہیں کہ یہ موضع اس قوم نے بھی کسی دوسری قوم سے لڑ کر حاصل کیا تھا۔ ماضی میں غالباً انگریز دور میں ان کا سردار مسمی گولو گزرا ہے جو علاقہ کا نمبردار بھی تھا۔ اس کے بعد نمبرداری اس کے بیٹوں میں ہی رہی۔ بعد میں مسمی غلام فرید بھی نمبردار بن گیا تھا اور یوں نمبرداری کا سلسلہ دونوں خاندانوں میں قائم رہا۔ انگریزوں کے دور میں اس خاندان کے چوہدری امیر خان، چوہدری پہلوان، چودھری اللہ یار، چودھری نذر محمد، چوہدری غلام رسول، چوہدری محمد نواز، چوہدری بہادر اور چوہدری عالم یار وغیرہ نمایاں سردار تھے [85]۔
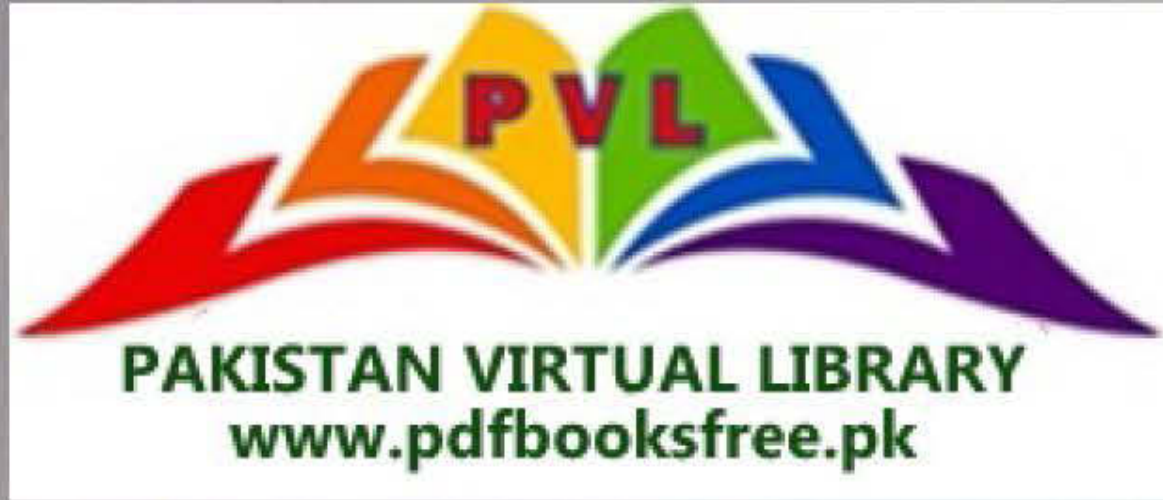
پنوار اگنی کل -- راج
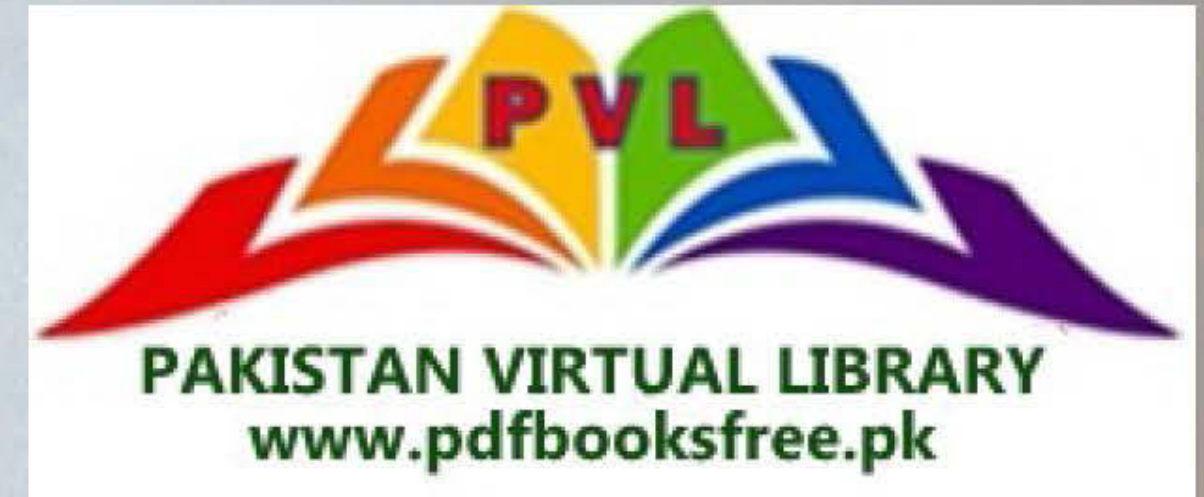
پنوار

پنوار' پوار یا پرمار اگنی کل راجپوتوں کی چار ابتدائی شاخوں میں سے ایک ہے۔ ہندو عقائد کے مطابق چار راجپوت قوموں کے اجداد آگ سے پیدا ہوئے۔ ان چار راجپوت ذاتوں کے نام پنوار' سولنگی' پریہار' اور چوہان بتائے جاتے ہیں۔ روایت کے مطابق جب کوہ آبو پر عبادات کرنے والے براہمن مقامی باشندوں کی آئے دن کی ستم ظریفیوں سے تنگ آگئے تو انہوں نے مہادیو سے دعا کی کہ وہ انہیں ان راکھشوں کے ستم سے نجات دلائے۔ چنانچہ اس غرض کے لئے قربانی کی مقدس آگ روشن کی گئی۔ اس آگ میں سے سب سے پہلے جو شخص نمودار ہوا اس کے ہاتھ میں نیزہ تھا اور زبان پر مار مار' کا جنگی نعرہ تھا۔ چنانچہ اس نوجوان کی اولادیں پرمار کہلائیں۔ پنوار یا پوار اسی لفظ پرمار سے نکلے ہیں۔ اس نوجوان پرمار کو حکومت کے لئے آبو اور اوجین کا علاقہ دیا گیا۔ اس پرمار کی بیوی کا نام سانچر ماتا تھا جسے بعد میں دیوی کا درجہ دیا گیا۔ یہ راجپوتوں کی پنوار شاخ مدت دراز تک اوجین و مالوہ پر حکمران رہی ہے اور ان کے راجوں و مہاراجوں کی فہرست بے حد لمبی ہے 86۔ ہم ذیل کے صفحات میں صرف ان میں سے چند مشہور راجوں کا تذکرہ کریں گے۔

راجہ گندھرپ

اس راجہ کا دور قبل از مسیح کا ہے۔ غالباً ایک سو سال قبل مسیح میں یہ اوجین و مالوہ پر حکومت کرتا تھا۔ اس نے کم و بیش ۳۵ سال حکومت کی۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق اس راجہ کا دور ۹۲ قبل مسیح سے ۵۷ قبل مسیح تک کا بنتا ہے۔ یہ راجہ اپنے باپ اندر کے بعد والئی تخت بنا تھا راجہ اندر کے متعلق ایک روایت ہندی تواریخ میں یہ ملتی ہے کہ وہ کسی بددعا کے نتیجے میں انسان کے روپ میں دنیا میں آیا تھا اور مدت سراپ ختم ہونے پر زندہ اٹھا لیا گیا تھا 87۔ ممکن ہے اس کے بڑے بیٹے اور جانشین راجہ گندھرپ نے ہی اسے تاج و تخت جلد حاصل کرنے کے لالچ میں قتل کروادیا ہو اور اس کے زندہ اٹھائے جانے کا یہ قصہ سادہ لوح رعایا میں مشہور کردیا ہو۔
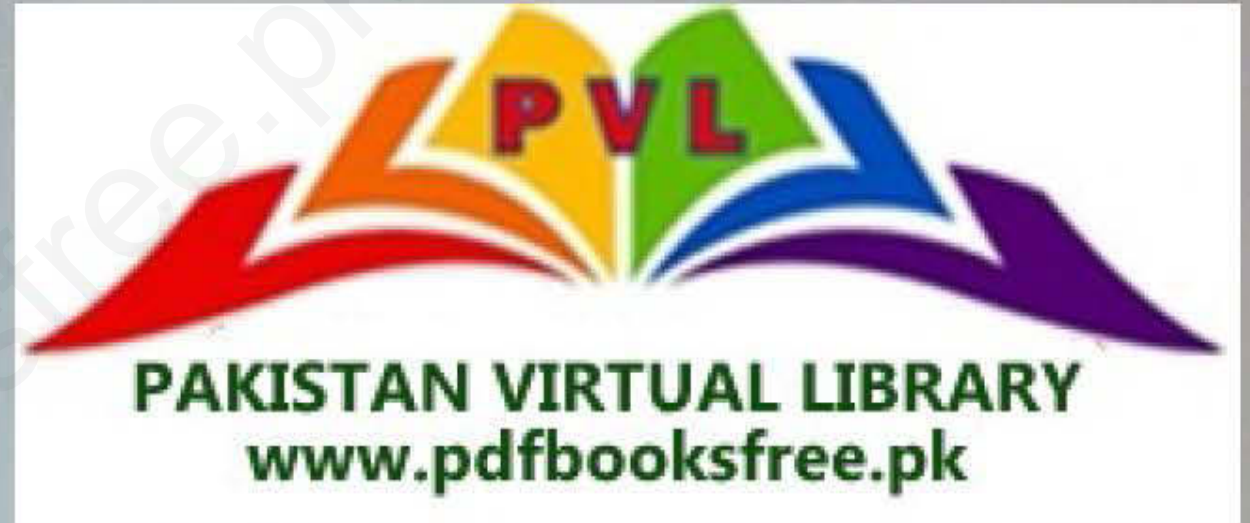
راجہ گندھرپ کو ہندو روایات اوتار یا دیوتا کے روپ میں بھی پیش کرتی ہیں۔
اس راجہ کے دو چھوٹے بھائی بھی تھے۔ منجھلے کا نام راجہ بھرتری تھا جبکہ چھوٹے کا نام
راجہ بکرماجیت تھا راجہ گندھرپ کے انجام کے متعلق بھی ہندی روایات سے کچھ پتہ
نہیں چلتا کہ کیا ہوا؟ امکان غالب ہے کہ اسے تاج و تخت کے حصول کے لئے منجھلے
بھائی راجہ بھرتری نے قتل کروادیا تھا۔

راجہ بھرتری

ہندوؤں کی ان روایات سے اندازہ ہوتا ہے کہ راجہ گندھرپ اپنے باپ کو
قتل کر کے بادشاہ بنا تھا اور راجہ بھرتری اپنے بھائی گندھرپ کو فنا کے گھاٹ اتار کر راجہ
بنا۔ اب راجہ بھرتری کو اپنے چھوٹے بھائی بکرماجیت سے بھی یہی خطرہ تھا تاہم اس
سے پہلے کہ راجہ بھرتری اپنے چھوٹے بھائی بکرماجیت کو قتل کرواتا بکرماجیت نے اس
خطرے کو بھانپ لیا۔ چنانچہ اپنی وضع قطع سادھوؤں جیسی بنالی اور اس دور کے مشہور و
معروف جوگی گورو گورکھ ناتھ کا چیلا بن گیا۔ لیکن راجہ بھرتری اسے کب معاف کرنے
والا تھا۔ چنانچہ اس نے اس جوگی (بکرماجیت) کو گرفتار کر کے قید میں ڈال دیا۔ تاہم
راجہ بکرماجیت کے مقدر میں چونکہ حکمرانی لکھ دی گئی تھی لہٰذا ناگہانی ایک ایسا واقعہ
ظہور پذیر ہوا جس سے بکرماجیت بغیر کسی تگ و دو اور مشکلات کے راجہ بن گیا۔

روایت ہے کہ راجہ بھرتری کی اگرچہ بے شمار خوبصورت رانیاں تھیں لیکن
اسے سب سے بڑی رانی پنگلہ سے بے حد محبت تھی۔ رانی پنگلا بھی راجہ کو
دل و جان سے چاہتی تھی۔ ایک بار راجہ بھرتری شکار کی غرض سے جنگل میں جارہا تھا
کہ اس نے دیکھا کہ کچھ لوگ جمع ہیں اور ایک مرنے والے شخص کی لاش کو چتا میں
جلانے کا بندوبست کر رہے ہیں۔ اس مرنے والے شخص کی بیوہ بھی بن سنور کر چتا میں
جلنے کو تیار بیٹھی ہے۔ جب راجہ بھرتری شکار سے واپسی پر اس راہ سے گزرا تو کیا دیکھتا
ہے کہ تمام لوگ تو چتا میں اس شخص کی لاش جلتی چھوڑ کر جاچکے ہیں جبکہ اس کی
بیوی وہاں بیٹھی ہوئی ہے اور اپنے جسم کا گوشت کاٹ کاٹ کر چتا میں ڈال رہی ہے۔
راجہ بھرتری اس ناری کی اپنے شوہر سے محبت دیکھ کر بے حد متاثر ہوا اور سوچنے لگا

کہ کیا اس کی رانی پنگلہ بھی اس سے اسی قدر محبت کرتی ہے۔ اپنے محل میں آکر
یہی واقعہ اس نے اپنی رانی پنگلہ سے بیان کیا تو رانی پنگلہ نے کہا کہ

"وہ عورت ستی نہیں تھی بلکہ ہٹی تھی"

مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے ہٹ کی پکی تھی۔ راجہ بھرتری نے رانی پنگلہ سے سوال
کیا کہ ستی کیا ہوتی ہے؟ تو اس نے جواب دیا کہ اصل ستی وہ عورت ہوتی ہے جو اپنے
شوہر کی وفات کا سن کر ایک آہ جان سوز بھرے اور مرجائے۔ راجہ بھرتری کو اپنی رانی
کی اس بات کا یقین نہ آیا اور اس نے اس کی آزمائش کرنے کا تہیہ کرلیا۔ چنانچہ ایک
بار پھر وہ جنگل میں شکار کے لئے گیا تو ایک سوچے سمجھے منصوبہ کے تحت اپنے کپڑے
اتار کر اور کسی جانور کے خون میں لت پت کر کے اپنے نوکر کے ہاتھ اپنی رانی کو بھیج
دیئے۔ نوکر نے یہ بہانہ بنایا کہ راجہ بھرتری کو کوئی جنگلی درندہ کھا گیا ہے اور وہ خود
بڑی مشکل سے جان بچا کر یہاں پہنچا ہے۔ یہ سن کر رانی پنگلہ نے واقعی ایک چیخ
ماری اور فوت ہوگئی۔ جب راجہ بھرتری کو اس واقعہ کا علم ہوا تو وہ ہوش و حواس کھو
بیٹھا۔ اور راج پاٹ ترک کر کے گورو گورکھ ناتھ کا چیلا بن گیا۔ چنانچہ راجہ بکرماجیت کو
قید سے نکال کر عزت و احترام کے ساتھ تخت پر بٹھا دیا گیا [88]۔

راجہ بھرتری سے پہلے بھی پنوار خاندان کے کئی راجے اوجین و مالوہ پر حکومت
کرچکے تھے۔ ان راجاؤں کے نام اور ان کی مدت سلطنت حسب ذیل بیان کی جاتی
ہے۔ یہ فہرست علامہ ابو الفضل نے آئین اکبری میں قلمبند کی ہے:۔ [89]

۱۔	راجہ آوت پنوار	۸۶ سال سات ماہ تین روز
۲۔	راجہ برمہراج	۹۰ سال سات ماہ تین روز
۳۔	راجہ اوت برما	۹۰ سال
۴	راجہ سدھرو سنگھ	۸۰ سال
۵۔	راجہ ہمرتھ	۱۰۰ سال

تاہم پنوار راجاؤں نے ایک ہزار سال سے زائد عرصہ تک خصوصاً مالوہ اور اس
کے نواح میں حکومت کی ہے۔

راجہ بکرماجیت

یہ راجہ جیسا کہ سطور بالا میں بیان ہو چکا ہے راجہ بھرتری کا چھوٹا بھائی تھا۔ بھائی کے ہاتھوں اپنی جان کے خطرہ کو محسوس کر کے سادھو بن گیا تھا۔ تاہم جب بھرتری تاج و تخت چھوڑ کر بذات خود جوگی بن گیا تو اسے حکومت مل گئی۔ تاریخ فرشتہ نے اس راجہ بکرماجیت کے واقعات حسب ذیل پیرایہ میں بیان کئے ہیں 90۔

"بکرماجیت کا تعلق پوار قوم سے تھا۔ وہ طبیعت کا بہت نیک تھا۔ اس کی حقیقت ان قصوں اور روایتوں سے معلوم کی جاسکتی ہے جو ہندوؤں میں کہانیوں کی طرح مشہور ہیں۔ راجہ بکرماجیت ابتدائے جوانی سے کئی سال تک فقیروں کی وضع قطع اختیار کئے انہی کے گروہ میں شامل ہو کر جگہ جگہ کی سیاحت اور طرح طرح کے مشاہدے کرتا رہا۔ جب اس کی عمر پچاس سال کی ہوئی تو اس نے غیبی راہنمائی سے سپہ گری کے میدان میں قدم رکھا۔ چونکہ خدا کی مرضی اسی میں تھی کہ یہ فقیر ایک بہت بڑا فرماں روا بنے اور خدا کے بندوں کو ظالم حکمرانوں کے پنجہ ظلم سے آزاد کرائے اس لئے بکرماجیت کو بڑی ترقی حاصل ہوتی گئی۔ یہاں تک کہ کچھ ہی عرصہ میں نہروالہ اور مالوہ اس کے قبضے میں آگئے۔ عنان حکومت سنبھالتے ہی اس راجہ نے عدل و انصاف کو دنیا میں اس طرح پھیلایا اور اپنے احسان کے چتر کے سائے تلے ہر شہر اور اہل شہر کو اس طرح پناہ دی کہ ظلم اور سفاکی کا کہیں نام و نشان بھی باقی نہ رہا۔ ہندوؤں کا یہ عقیدہ ہے کہ بکرماجیت کی حالت اور اس کا مرتبہ دنیا کے عام انسانوں سے کہیں بلند تھا۔ اس کے عرفان اور روشن ضمیری کے متعلق کہا جاتا ہے کہ جو بات اس کے دل میں ہوتی تھی وہ بغیر کسی کمی بیشی کے ظاہر ہو جاتی تھی اور ہر اچھا یا برا واقعہ جو رات کو اس کے ملک میں ہوتا تھا اس کی اطلاع اسے دن میں ہو جاتی تھی۔

باوجود فرمانروا ہونے کے وہ اپنی رعایا کے ساتھ بالکل

برادرانہ سلوک کرتا تھا۔ اس کے گھر کا تمام سرمایہ ایک مٹی کے پیالے اور ایک بوریئے پر مشتمل تھا۔ بکرماجیت نے اجین کو آباد کیا اور دھار کے قلعے کو تعمیر کروا کے اپنا مسکن بنایا۔ اجین کا مشہور بت خانہ مہاکال بھی اس نے بنوایا تھا اور ان جوگیوں اور برہمنوں کے وظیفے مقرر کئے تھے جو اس بت خانہ میں رہ کر عبادت کرتے تھے وہ اپنے وقت کا بیشتر حصہ اپنی رعایا کے حالات جاننے اور خدا کی عبادت کرنے میں صرف کرتا تھا۔ ہندوستان کے لوگ اس راجہ کے متعلق بہت اچھا عقیدہ رکھتے ہیں اور عجیب و غریب قصے اور افسانے اس کے نام سے منسوب کرتے ہیں۔ (ہندوؤں کے) سال اور مہینوں کی ابتداء اس راجہ کی وفات کے دن سے ہوتی ہے۔ اس کتاب (تاریخ فرشتہ) کی تصنیف کے وقت کہ جو مدت نبویؐ کا ایک ہزار پندرھواں سال ہے بکرماجیت کی وفات کو ایک ہزار چھ سو تریسٹھ سال گزر چکے ہیں۔ راجہ بکرماجیت ایران کے بادشاہ اردشیر کا ہم عصر تھا۔ بعضوں کا بیان ہے کہ اس کا اور شاہ پور کا زمانہ ایک تھا۔ بکرماجیت کے آخری زمانہ میں ایک زمیندار نے جس کا نام سال باہن تھا اس پر حملہ کیا جس کے نتیجے میں سال باہن کو فتح حاصل ہو گئی اور بکرماجیت مقتول ہوا۔

ہم نے راجہ بکرماجیت کے واقعات تاریخ فرشتہ سے من و عن نقل کر دیئے ہیں۔ فرشتہ کی تحریر سے اندازہ ہوتا ہے کہ بکرماجیت کو راجہ بنانے کے لئے اس دور کی روحانی قوتوں نے اس کی بھرپور پشت پناہی کی تھی۔ اس قصہ پر ہم اپنی دوسری کتاب "بھٹی اور بٹ (راجہ سالباہن کی اولادیں) میں بھرپور تبصرہ کر چکے ہیں۔ یاد رہے کہ سال باہن یا سالباہن بھٹی قبائل کا جد امجد تھا جس نے سیالکوٹ کی راجدھانی قائم کی تھی۔

راجہ بھوج

سالباہن کے ہاتھوں راجہ بکرماجیت کی شکست اور قتل کے بعد کہا جاتا ہے کہ ایک عرصہ تک مالوہ کا علاقہ بالکل ویران رہا اور وہاں کوئی مضبوط حکومت قائم نہ ہو سکی۔ چنانچہ ایک لمبا عرصہ کے بعد پنوار قوم کے ہی ایک شخص راجہ بھوج نامی نے وہاں اقتدار حاصل کیا اور مالوہ کی راجدھانی کو ازسرنو مضبوط کیا۔ اس راجہ کے متعلق روایات ہیں کہ اپنے جد امجد راجہ بکرماجیت کی پوری پوری تقلید کرنے کی کوشش کرتا تھا۔ راتوں کو بھیس بدل بدل کر پھرتا تھا اور فقیروں اور ضرورت مندوں کے حالات سے آگاہ ہو کر انکی خبر گیری کرتا تھا۔ وہ ہمیشہ اپنی رعایا کی خوشحالی اور آسودگی کے لئے مصروف عمل رہتا تھا۔ اس نے کئی نئے قصبے و شہر بھی آباد کئے تھے۔ کہتے ہیں کہ کھرکھوں' بیجا نگر اور ہنڈیہ نامی شہر اس نے آباد کئے تھے۔ اس راجہ کے متعلق کئی رنگین داستانیں بھی مشہور ہیں یعنی وہ شادیاں رچانے کا بے حد شوقین تھا اور سال میں دو مرتبہ زبردست جشن منایا کرتا تھا۔ ان جشنوں میں ہندوستان کے ہر کونے سے رقص و سرود کے ماہرین شریک ہوتے تھے۔ ناچ گانے اور عیش و نشاط کا یہ عالم متواتر چالیس دن تک جاری رہتا تھا۔ دوران جشن شرکت کرنے والے ہر گروہ اور فرد بشر کو کھانا' شراب اور پان وغیرہ مفت دیا جاتا تھا اور جشن کے انجام پر ہر شخص کو دس مثقال سونے کے علاوہ خلعت بھی دیا جاتا تھا۔ اس راجہ نے مالوہ پر کم و بیش نصف صدی تک حکومت کی [91] -

راجہ کرشن راج

راجہ کرشن راج کی حکومت کا زمانہ ۸۲۰ء کے لگ بھگ کا بتایا جاتا ہے۔ اس راجہ نے بھی مالوہ میں ایک بے حد مستحکم و مضبوط سلطنت کی بنیاد ڈالی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ راجہ کرشن راج کی وفات کے بعد اس کی اولادیں چار سو سال تک قنوج و مالوہ پر حکومت کرتی رہیں [92] -

راجہ اتپل راج

راجہ اتپل راج کی مالوہ پر حکومت کا دور لگ بھگ ۹۷۴ء تا ۹۹۷ء بتایا جاتا

ہے۔ اس راجہ کے متعلق مشہور ہے کہ بے حد علم دوست تھا۔ اس دور کے بڑے بڑے علماء و فضلاء اس کے دربار میں موجود رہا کرتے تھے اور ان کے باقاعدہ وظائف مقرر تھے۔ اس کے دور میں سنسکرت زبان میں کئی کتابیں بھی لکھی گئی تھیں۔ اس راجہ نے اپنی قریبی راجدھانی کے فرمانروا راجہ تیل سے کئی لڑائیاں لڑی تھیں اور کہا جاتا ہے کہ اس کے ساتھ ایک لڑائی میں یہ راجہ قتل ہو گیا تھا [93] -

راجہ آدت یا دادپتہ پنوار

تاریخ فرشتہ کی رو سے اس راجہ کا دور ۳۰۷ء کے لگ بھگ کا تھا۔ اس راجہ نے سب سی پہلے اندرپت شہر کے قریب ایک نیا شہر آباد کیا تھا۔ اس نئے شہر کو آج کی تاریخ دہلی کے نام سے یاد کرتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس شہر کی مٹی بہت نرم تھی جسکی بناء پر لوہے کی سلاخیں وہاں مضبوطی سے نہیں نصب کی جاسکتی تھیں چنانچہ اسی وجہ سے اس شہر کا نام دہلی مشہور ہوا۔

پنوار راجپوتوں میں متذکرہ بالا راجاؤں کے علاوہ بھی کئی مختلف مورخین نے مختلف راجاؤں کے نام تحریر کئے ہیں۔ کئی مورخین نے چندر پال' منجیے نند' راجہ بھوج دوئم' راجہ جے چند' راجہ کنور پال' انگ پال کو بھی پنوار راجاؤں میں سے بتایا ہے۔ راجہ انگ پال غالباً اس سلسلے کا آخری راجہ تھا جس سے چوہان راجپوتوں نے تاج و تخت حاصل کیا تھا [94] -

پنوار -- ذیلی شاخیں

سیال

سیال

سیال پنجاب کی بہت بڑی اور اہم قوم ہے۔ یہ قوم سب سے زیادہ جھنگ میں آباد ہے۔ بلکہ ضلع جھنگ کو پنجابی میں بڑے بوڑھے "جھنگ سیالاں دا" کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ دوسرے نمبر پر یہ لوگ ملتان اور اس کے نواحی اضلاع میں آباد ہیں۔ تاہم پنجاب کا کوئی ایسا ضلع نہیں جہاں سیال نہ پائے جاتے ہوں۔ یہ لوگ سیالکوٹ، لاہور، گوجرانوالہ، راولپنڈی، جہلم، گجرات، شاہ پور، سرگودھا، ملتان، فیصل آباد، ساہیوال اور مظفر گڑھ کے اضلاع میں خاطر خواہ تعداد میں آباد ہیں۔ علاوہ ازیں ڈیرہ اسماعیل خان، ڈیرہ غازی خان اور بنوں میں بھی یہ کافی تعداد میں آباد ہیں۔ ڈیرہ جات میں تو یہ وہاں کی آبادی کا بہت بڑا حصہ سمجھے جاتے ہیں اور وہاں ان کی کئی ایک اپنی گڑھیاں آباد ہیں۔ پنجاب میں بھٹی قوم کے بعد سب سے زیادہ آبادی سیالوں کی ہے۔ پنجاب کی تاریخ میں ان لوگوں کو خصوصی اہمیت حاصل رہی ہے۔ خصوصا پنجاب کے مشرقی میدانی علاقوں میں یہ لوگ اپنی پڑوسی و ہم عصر اقوام میں بے حد نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ مسٹر سٹیڈ مین نے بجا کہا تھا کہ

"ضلع جھنگ کی جدید تاریخ صرف اور صرف سیال قوم سے عبارت ہے"

ماضی میں سیال قوم خانہ بدوش رہی ہے اور اس قوم کی معیشت کا دارو مدار گلہ بانی رہا ہے۔ یہ لوگ گھوم پھر کر مویشی چرایا کرتے تھے۔ گرمی کے موسم میں دریائے چناب کے نشیبی علاقوں میں چلے جاتے تھے جبکہ موسم سرما اور معتدل موسم کے دوران جب بارشوں کا سلسلہ ہوتا تھا تو جھنگ بار کے بالائی میدانی علاقوں کا رخ کر لیتے تھے۔ یہ لوگ جھنگ کے علاقہ میں غالبا مغلوں کے دور سے آباد چلے آرہے ہیں۔ ان لوگوں نے جھنگ کی سرزمین پر یہاں کی قدیم باسی اقوام کھرل، بھنگو، میکن اور مرل وغیرہ سے لڑکر اور انہیں یہاں سے بے دخل کرکے قبضہ کیا تھا۔ ان ایام میں اس قوم کے کھرل اور بلوچ اقوام سے کئی زور دار معرکے رہے ہیں۔ آج سے کم و بیش تین صدیاں پیشتر جب جھنگ کو صوبہ لاہور کے زیر انتظام لایا گیا تھا۔ سیال اس علاقے کی

سب سے نمایاں قوت سمجھے جاتے تھے۔ ان کا نامی گرامی سردار ولی داد خان گزرا ہے۔
یہ ولی داد خان ۱۷۴۸ء میں فوت ہوا تھا۔ اس سردار کے دور میں اس قوم نے بے انتہا
ترقی و عروج حاصل کیا تھا اور ولی داد خان کی سرکردگی میں یہ لوگ ایک طرف تو منکیرہ
کے تھل تک اور دوسری طرف کمالیہ کے علاقہ میں راوی کے کناروں تک کے زمینی
رقبے پر قابض ہوگئے تھے۔ بلکہ ان کا اثر و رسوخ پنڈی بھٹیاں تک کے علاقوں تک
رہا ہے ولی داد خان کی وفات کے بعد اس کا بھتیجا عنایت اللہ خان اس قوم کا مشترکہ
سردار بنایا گیا۔ تاہم عنایت اللہ نہ تو انتظامی لحاظ سے ولی داد خان کا ہم پلہ تھا اور نہ ہی
عسکری اہلیت کے لحاظ سے۔ پھر سونے پہ سہاگہ یہ ہوا کہ اسے ایک طرف سے بھنگی
قوم کے سکھوں کی یلغار کا مقابلہ کرنا پڑا تو دوسری طرف ملتان کے روساء سے جنگیں
بھی لڑنا پڑیں۔ اس پر بھی غضب یہ ہوا کہ رشید پور کے سیال بھی اپنے اس بھائی بند
کے مخالف ہوگئے۔ ان سیالوں نے اپنے اس رشتہ دار سردار پر شب خون مارا اور اسے
قیدی کرلیا اور یہ عنایت اللہ متواتر چھ ماہ تک ان کی قید میں رہا۔ سیالوں پر یکے بعد
دیگرے یہ مصیبتیں پڑیں تو اس کا نتیجہ یہی نکلا کہ وہ متواتر کمزور ہوتے گئے اور ان کی
اس کمزوری و باہمی خانہ جنگی کا فائدہ سوکر چکیہ مثل کے سکھوں کو پہنچا۔ وہ اس علاقے
کی ایک زبردست قوت بن کر اٹھے اور انہوں نے سیالوں سے جھنگ و چنیوٹ کے
علاقے ہتھیا لئے۔ ۱۸۰۶ء میں احمد خان سیال کو اپنی قوم کا سردار بنایا گیا اور غالباً یہی اس
قوم کا آخری قابل ذکر اور مشترکہ سردار تھا۔ احمد خان نے اپنی قوم کو متحد و منظم
کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگادیا لیکن ناکام رہا۔ ۱۸۱۰ء میں مہاراجہ رنجیت سنگھ
نے اسے گرفتار کرکے قید میں ڈال دیا اور اس کے ساتھ ہی سیالوں کا شیرازہ بکھر گیا اور
گویا ایک آزاد ریاست ان کے ہاتھ سے نکل گئی۔

سیال رائے شنکر کی اولاد ہیں جو ایک پنوار راجپوت تھا۔ پنوار دارا نگر کے
رہنے والے تھے۔ دارا نگر الہ آباد اور فتح پور کے درمیان واقع ہے۔ وہاں سے پنوار
راجپوتوں کا ایک گروہ نقل مکانی کرکے جامپور میں آباد ہوا اور یوں جامپور میں رائے
شنکر کی پیدائش ہوئی۔ کہا جاتا ہے کہ اس رائے شنکر کے تین بیٹے پیدا ہوئے جن کے
نام سیو، گھیو اور ٹیو تھے۔ اور رائے شنکر کے یہ تینوں بیٹے تین بڑی راجپوت قوموں

کے بانی بنے سیو سے سیال، گھیو سے گھیبے اور ٹیو سے ٹوانے وجود پذیر ہوئے۔
اس لحاظ سے گویا سیال ٹوانے اور گھیبے ہم نسل اور بھائی بند ہیں تاہم گھیبے
اس روایت کو تسلیم نہیں کرتے اور اپنی اصل مغل بتاتے ہیں۔ اور ہمارے خیال کے
مطابق بھی یہ لوگ نسلی اعتبار سے راجپوت نہیں ہیں۔ بہرکیف سیالوں نے جھنگ کو
آباد کیا۔ ٹوانوں نے شاہ پور میں سکونت اختیار کی جبکہ گھیبوں نے پنڈی گھیب آباد
کیا۔

علاؤ الدین غوری نے جب ہند پر دھاوا کیا تو راجپوتوں کے کئی گروہ ہند سے
نقل مکانی کرکے پنجاب میں داخل ہوئے۔ اس دور میں رائے شنکر کے بیٹے سیو نے
بھی پنجاب کی طرف نقل مکانی کی۔ اس کے ہمراہ اس کے دیگر بھائی بھی تھے اور دیگر
راجپوت خانوادے مثلاً چدھڑ اور کھرل بھی ان کے ساتھ تھے۔ یہ لوگ جب ہند سے
نقل مکانی کرکے موجودہ مغربی پنجاب میں داخل ہوئے تو انہوں نے سیدھا پاک پتن
شریف کا رخ کیا۔ اس وقت پاک پتن شریف میں مشہور صوفی بزرگ حضرت بابا فرید
گنج شکرؒ موجود تھے اور غیر مسلم اقوام جوق در جوق ان کے ہاتھ پر اسلام قبول کررہی
تھیں۔ چنانچہ ان راجپوت جتھوں نے بھی بابا فرید گنج شکرؒ کے آستانہ عالیہ پر حاضری
دی اور اسلام قبول کرلیا۔ بابا فرید گنج شکرؒ نے ان لوگوں کے حق میں دعائے خیر فرمائی
اور دو آبہ جہلم و چناب کے علاقہ میں آباد ہونے کی تلقین فرمائی۔ بابا فرید گنج شکرؒ کا
وصال ۱۲۶۴ء یا ۱۲۶۵ء میں ہوا۔ اس کے بعد سیالوں، ٹوانوں، چدھڑوں اور کھرلوں کے
گروہ خانہ بدوشوں کی طرح رچنا اور چج دو آب کے علاقوں میں کافی عرصہ گھوم پھر کر
زندگی گزارتے رہے۔ سیال پہلے پہل دریائے جہلم کے دائیں کنارے پر بھی آباد
ہوئے۔ اسی اثناء میں سیالوں کے جد امجد سیو کا رشتہ ساہیوال کے ایک میکن سردار
نامی بھائی خان کی بیٹی مسماۃ سہاگ سے طے پاگیا۔ اس کے بعد سیالوں نے سیالکوٹ کے
علاقہ میں بھی اپنا ایک قلعہ تعمیر کرلیا اور کافی عرصہ وہاں آباد رہے اور بعد میں ترقی و
قوت حاصل کرکے شاہ پور، جہلم، منکیرہ اور گڑھ مہاراجہ کے علاقوں پر بھی تسلط حاصل
کرلیا۔ تاہم سیالوں کا اصل مسکن و مرکز جھنگ کا جنوبی علاقہ رہا ہے جو دریائے چناب
کے بائیں جانب راوی تک پھیلا ہوا ہے۔ قدیم دور میں راوی کے دونوں کناروں پر

غالب اکثریت سیالوں ہی کی رہی ہے۔

سیال کانگڑہ (ہندوستان) میں بھی آباد ہیں تاہم وہ ابھی تک زیادہ تر غیر مسلم ہیں۔

سیالوں کی اصل کے متعلق جنرل کننگ ھام کا خیال ہے کہ یہ لوگ راجہ ھوڈی نامی کی اولاد ہیں۔ لیکن جنرل موصوف اپنے اس خیال میں تنہا ہیں۔ راجہ ھوڈی کے متعلق ہم نے ایک دوسری کتاب نامی "بھٹی اور بٹ" میں وضاحت کردی ہے کہ وہ ایک گکھڑ سردار تھا جو پنجاب کی لوک داستانوں کے معروف ھیرو راجہ رسالو کا ہم عصر اور اس کا حریف تھا۔ اس امر میں قطعاً شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ سیال نسل کے اعتبار سے پنوار راجپوت ہیں اور رائے شنکر کی اولاد ہیں۔ اس بات کو تقریباً تمام علماء نے تسلیم کیا ہے اور سیالوں کی اپنی قومی روایات بھی ہمیں یہی بتاتی ہیں۔

سیال قوم کی بے شمار ذیلی شاخیں ہیں۔ مسٹر سٹیڈ مین کا کہنا ہے کہ جھنگ کے ضلع میں جس قوم کے نام کے آخر میں "آنہ" کا لفظ آتا ہے وہ سیالوں ہی کی شاخ ہے۔"

بہر کیف ان کی چند مشہور و معروف ذیلی گوتوں کے نام حسب ذیل ہیں۔

۱۔ دولتانہ ۲۔ دادوانہ ۳۔ دوانہ ۴۔ کملانہ ۵۔ پنجوانہ ۶۔ سسران ۷۔ مرالی ۸۔ ھراج ۹۔ تھراج ۱۰۔ سرگانہ ۱۱۔ سنپال ۱۲۔ فتیانہ ۱۳۔ تہرانہ

ملتان کے سیال تحصیل کبیر والہ میں آباد ہیں۔ یہاں ان کے گاؤں دریائے راوی کے دونوں کناروں پر پھیلے ہوئے ہیں۔ اس جگہ آباد ہونے سے پہلے یہ لوگ چونترہ کے علاقہ میں بھی آباد رہے ہیں۔ اب ہم سیالوں کی چند مشہور ذیلی شاخوں کا مختصراً تذکرہ کریں گے95۔

ا۔ دولتانہ

دولتانہ خاندان کے لوگ ملتان، جھنگ، سرگودھا و شاہ پور میں کثرت سے آباد ہیں۔ سرگودھا و شاہ پور کے دولتانے کافی اثر و رسوخ کے حامل رہے ہیں۔ سکھوں کے بعد انگریزوں کے دور میں اس قوم نے کافی قد آور شخصیتیں پیدا کی ہیں۔ بہر کیف ملتان کی تحصیل میلسی میں موضع لڈن کے دولتانے تو پاکستان بھر میں مشہور ہیں۔ ان

کے متعلق ایک خیال یہ ہے کہ یہ لوگ جویا قبیلہ کی ذیلی شاخ ہیں۔ جبکہ جھنگ کے دولتانوں کے متعلق یہ نظریہ بہت مستحکم ہے کہ یہ لوگ سیال قوم کی ذیلی شاخ ہیں۔

میاں ممتاز احمد خان دولتانہ مرحوم کا تعلق دولتانوں کی لڈن فیملی سے تھا۔ موصوف ایک نامور قومی سیاستدان گزرے ہیں۔ ملتان و بہاولپور میں اس قوم کے پاس بہت زیادہ اراضی رہی ہے۔ ماضی میں میلسی لڈن خاندان کے مشہور سربراہ میاں غلام محمد خان گزرے ہیں۔ میاں غلام محمد خان کے بیٹے کا نام میاں غلام قادر خان تھا جو باپ کے بعد لڈن کی دولتانہ فیملی کا ایک مشہور رئیس گزرا ہے۔ میاں غلام قادر خان کے بیٹے کا نام خان بہادر میاں احمد یار خان تھا جو لڈن میں ہی ۱۸۹۶ء میں پیدا ہوئے تھے۔ میاں ممتاز احمد خان دولتانہ اسی میاں احمد یار خان کے بیٹے تھے۔ موصوف نے اور ان کے اجداد نے تحریک پاکستان میں نمایاں کردار ادا کیا تھا96۔

ب۔ کوڑیانہ

کوڑیانہ بھی سیالوں کی ایک شاخ ہے جو تحصیل کبیر والہ موضع نزہال میں آباد ہے۔ سیال کوڑیانہ، ضلع جھنگ 'کوٹ کوڑیانہ میں پہلے پہل آباد ہوئے تھے۔ کبیر والہ تحصیل میں یہ لوگ نواب مظفر خان والئے ملتان کے عہد میں آئے تھے۔ غالباً نواب احمد یار خان والئے جھنگ سے کسی تنازعہ کی بناء پر ان لوگوں نے نقل مکانی کی تھی۔

اس قوم کا جد امجد جمال خان نامی سب سے پہلے جمال پور میں آکر آباد ہوا تھا۔ بعد میں نواب مظفر خان کے حکم سے وہ علاقہ انہیں مستقل طور پر مل گیا تھا۔ اس علاقہ کو ان لوگوں نے بے حد ترقی دی۔ کنویں کھودوائے اور زمینیں آباد کی تھیں۔ ان لوگوں نے یہاں کئی قصبے آباد کئے تھے۔ مدال، چک نوزنگ شاہ اور رکانوالہ وغیرہ کے قصبات اسی قوم کے آباد کردہ ہیں۔

اس قوم کا ماضی میں کاٹھیا قوم کے لوگوں سے بے حد خون ریز معرکہ ہوا تھا۔ جس میں اس قوم کے بہادر جانباز یکے بعد دیگرے کام آئے تھے۔ تاہم ان میں سے ایک چھ سال کا بچہ زندہ بچ گیا تھا جس کا نام غلام حسین بتایا جاتا ہے۔ اور جس کی اولادیں اب موضع نزہال میں آباد ہیں۔ انگریزی عہد میں غلام حسین مذکور کے چار

لڑکے پہلوان خان' مراد خان' اللہ داد خان اور جہان خان الگ الگ اراضیات کے مالک تھے۔ بذات خود غلام حسین مرحوم نمبردار تھے جو ۱۸۸۴ء میں فوت ہوئے تھے محمد خان ۱۸۹۵ء میں ذیلدار مقرر ہوا تھا۔ اس کا انتقال ۱۹۰۷ء میں ہوا تھا۔ محمد خان اپنی سخاوت اور دریا دلی کی وجہ سے علاقہ بھر میں مشہور تھا۔ محمد خان کے بعد اس قوم کے سردار غلام حسین ۱۹۰۷ء میں ذیلدار مقرر ہوا تھا۔ اس سردار غلام حسین نے جنگ عظیم کے دور میں اپنے آپ کو بطور سپاہی خدمات کے لئے پیش کردیا تھا۔ حکومت برطانیہ نے اسے تحصیل خانیوال میں دو مربع اراضی عطا کی تھی جبکہ ضلع ساہیوال میں بھی سات مربع اراضی گھوڑوں کے اصطبل کے لئے اسے ملی تھی۔ سردار غلام حسین انگریزی عہد میں کئی بڑے عہدوں پر فائز رہے اور کئی اعزاز' خطابات اور سندیں انہیں خدمات کے صلہ میں دی گئی تھیں سردار غلام حسین کے چار بیٹے تھے جن کے نام پہلوان خان' مراد خان' اللہ داد خان اور جہان خان تھے۔ سردار غلام حسین کے چھوٹے بھائی رحیم بخش بھی تحصیل میں ذیلدار تھے اور کافی اثر و رسوخ کے مالک تھے۔ انہوں نے انگریز دور میں کافی خدمات انجام دی تھیں۔ اس روایت سے پتہ چلتا ہے کہ کاٹھیا قوم کے ساتھ مذکورہ لڑائی کے بعد غلام حسین کے علاوہ اس کا بھائی رحیم بخش بھی زندہ بچ گیا تھا 97۔

ج۔ سرگانہ

سرگانہ بھی سیال راجپوتوں کی ذیلی شاخ ہے۔ یہ لوگ اپنا شجرہ نسب ہندوستان کے مشہور راجہ بکرماجیت سے ملاتے ہیں۔ ان کے مورث اعلیٰ سیال کے متعلق ہم بتا چکے ہیں کہ اس نے حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا تھا۔ سیال کی اولادوں میں سے ایک شخص مہر سارنگ کو نواب ولی داد حاکم اعلیٰ جھنگ نے فوجی خدمات کے صلہ میں وسیع جاگیر عطا کی تھی نواب ولی داد شاہان مغلیہ کی طرف سے جھنگ کا حاکم تھا۔ مہر سارنگ کے نام پر ہی سیالوں کی یہ شاخ سرگانہ کہلائی۔ ازاں بعد مہر سارنگ کی اولادوں میں سے ایک شخص مہردة چوترہ سرگانہ' لب دریائے راوی آکر آباد ہوگیا تھا۔ اس مہردة کے دو لڑکے تھے جن کے نام مہر سلطان اور مہر بگا تھے۔ مہر بگا نے بعد میں علاقہ بب سے علاقہ کچا کمیرہ تک تقریباً ۲۸ کوس میں اپنی خود مختار حکومت

قائم کرلی تھی۔ تاہم وہ ملتان کے نواب مظفر خان کو بطور مال گزاری کچھ نہ کچھ دے دیا کرتے تھے اور جب ملتان پر سکھ غالب آگئے تو یہ لوگ سکھوں کو کچھ نہ کچھ دیتے رہے۔ بگا نے چاہ باگڑ والہ آباد کیا تھا جبکہ اس کے ایک بیٹے مہر محمد نے بستی باگڑ قائم کی تھی۔ انگریز دور میں بستی باگڑ کا سرگانہ سردار محمد اعظم بنا۔ جس نے انگریز حکومت کے لئے کافی خدمات سرانجام دی تھیں۔ مہر شاہد بھی باگڑ کا ذیلدار اور سرکردہ سردار تھا۔ مہر شاہد کے بعد اس کا بیٹا مہر احمد ذیلدار مقرر ہوا تھا جبکہ ایک اور باگڑ سردار مہر پہلوان بھی خاصہ اثر و رسوخ والا تھا۔ مہر پہلوان کو ایک مربع زرعی اراضی چک یارووالہ ضلع خانیوال میں عطا ہوئی تھی۔ مہر شاہد ۱۹۳۶ء میں جبکہ مہر احمد (غالباً شاہد کا بھائی) ۱۹۲۲ء میں فوت ہوئے تھے۔ ان کی وفات کے بعد ان کے بھائی حاجی مہر محمد اسمٰعیل ذیلدار مقرر ہوئے تھے۔ حاجی مہر محمد اسمٰعیل اپنے علاقے کے بہت زیادہ مقبول سردار تھے۔ ہندو مسلم دونوں اقوام ان کی مداح تھیں۔ انہوں نے فلاح عام کے بہت کام کئے تھے۔ مہر محمد اسمٰعیل کثیر العیال تھے اور ان کے ۹ بیٹے تھے جن کے نام غلام محمد' غلام سرور' دوست محمد' محمد مرتضیٰ' منظور حسین' ظہور حسین' محمود' اقبال اور ظفر تھے۔ ان میں سے غلام محمد ذیلدار مقرر ہوئے تھے۔ سرگانہ خاندان باگڑ' سرائے سدھو' کوٹ گوہر محمد' رکن والہ' ڈیوا سنگھ والہ' تحصیل کبیر والہ' میرپور' فرید سنپال' چک کرم علی اور چک یارو والہ تحصیل خانیوال کے مواضعات میں آباد ہے اور کافی زرعی اراضی کا مالک ہے۔

ضلع ملتان میں سرگانہ قوم کے لوگ کنڈ سرگانہ' بندہ سرگانہ' برچھ' جلی پور سندہ اور ملک والہ کے علاوہ کئی دوسرے دیہات مثلاً حویلی حیدر شاہ' گل پور' غازی چک' سرائے سدھو' قادو مرالی' کوندہ مرالی اور حویلی مبارک شاہ میں آباد ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ ان کے جد امجد سارنگ کے چھ بیٹے تھے جن کے نام مالا' مقصودا' لدھا' نورا' کسو اور یارو تھے۔ ان میں سے مالا کی اولاد ضلع جھنگ میں آباد ہے۔ مقصود الٰہی کی اولاد چوترہ' نصرت پور' دائرہ محرم اور باگڑ میں آباد ہے۔ لدہ کی اولاد اردتی' موتیاں اور نواب پور ہوتی میں آباد ہے۔ کسو کی اولاد ملتان و جھنگ کے اضلاع میں مختلف جگہوں پر آباد ہے جبکہ یارو کی اولاد بنگہ و بندہ سرگانہ وغیرہ میں آباد ہے۔ مہر احمد خان کی اولادوں میں سے ایک شخص مہر نور محمد خان بار ایٹ لاء بھی بے حد نامور گزرے ہیں۔ علاوہ ازیں موضع کنڈ سرگانہ تحصیل کبیر والہ کے مہر طالب حسین ذیلدار بھی بے حد نامور شخص

تھے جو ایک مشہور سرگانہ سردار مہر محرم کی اولادوں میں سے تھے۔ انہوں نے بھی انگریزی عہد میں خدمات سرانجام دی تھیں 98۔

د۔ ھراج

ھراج قوم کے لوگ چوکی چوہان تحصیل کبیروالہ میں بھی کافی تعداد میں آباد ہیں اور بے حد اثر و رسوخ کے حامل رہے ہیں سکھوں اور انگریزوں کے عہد میں بھی ان لوگوں کا سیاسی کردار بے حد نمایاں و ممتاز رہا ہے۔ انگریز دور میں ان کے سردار ولی محمد خان ہراج بہت مشہور گزرے ہیں۔ ھراج قوم دراصل پنجاب کے کم و بیش ایک سو چالیس مواضعات میں آباد ہے۔ ۱۸۵۷ء میں ان کا مشہور سردار مہر سلطان خان تھا جس نے انگریز حکومت میں کافی اثر و رسوخ پیدا کیا تھا۔ سردار موصوف نے کوئٹہ کی مہم کے دوران انگریزوں کو ایک سو اونٹوں کا قافلہ فراہم کیا تھا۔ مہر سلطان خان' سردار اللہ یار خان کے بیٹے تھے۔ سکھوں کے عہد میں مہر سلطان خان کے والد مہر سادا ھراج بے حد نامور زمیندار تھے۔ جنگ عظیم کے دوران بھی اس قوم کے سرداروں نے انگریز حکومت کی بہت زیادہ خدمات سرانجام دی تھیں اور ان سے انہیں کافی مراعات بھی حاصل ہوئی تھیں 99۔

ہ۔ تھراج

ھراج اور تھراج باہم بھائی تھے۔ اس طرح یہ اقوام نسل کے اعتبار سے ایک ہی باپ کی اولاد ہیں۔ یہ لوگ بھی کافی اثر و رسوخ کے مالک رہے ہیں۔ ان کی باقی ماندہ تاریخ وہی ہے جو سیالوں کے ذیل میں پیش کی گئی ہے 100۔

و۔ مرالی

مرالی قوم کے متعلق بھی یہی خیال ہے کہ سیالوں کی ایک ذیلی شاخ ہے۔ یہ لوگ جھنگ' ملتان' شاہ پور اور میانوالی کے علاوہ پنجاب کے دیگر کئی اضلاع میں بھی آباد رہے۔ مرالی خاندان کی ایک شاخ موضع حشمت مرالی تحصیل کبیروالہ میں بھی آباد ہے

یہ خاندان پہلے پہل موضع اوڈانوالی ضلع جھنگ میں مقیم تھا جہاں سے ان کے ایک بزرگ مہر سرور انگریزی دور میں نقل مکانی کرکے موضع حشمت مرالی میں آباد ہوئے تھے۔ ان کے ایک بیٹے باقر خان نے راوی کے کنارے موضع گل پور آباد کیا تھا۔ حشمت مرالی مہر حشمت کے نام سے آباد ہوا تھا اور باقر خان اس حشمت خان کا بیٹا تھا۔ فیروز پور میں بھی ان کے بزرگوں نے اراضی خریدی تھی اللہ یار خان حشمت مرالی کا مشہور نمبردار تھا 101۔

ز۔ سنپال

سنپال بھی سیالوں کی ذیلی گوت ہے۔ ملتان میں زیادہ تر راوی کے کنارے ان کے گاؤں ہیں۔ ان کے جد امجد نے ساہیوال کے ایک مقامی سردار بہادر خان کی بیٹی سے شادی کی تھی 102۔

ح۔ وادوانہ' کملانہ' دوانہ اور پنجوانہ

یہ تمام گوتیں سیالوں کی اصلی اور مشہور ذیلی شاخیں ہیں۔ ان کی تاریخ کم و بیش وہی ہے جو ہم سیالوں کے ذیل میں پیش کر چکے ہیں۔ ملتان میں اور ساہیوال میں یہ لوگ اچھے کاشتکاروں میں شمار ہوتے ہیں۔ ان خاندانوں کے نام ان کے اجداد کے نام پر رکھے گئے ہیں۔ یعنی دادو' دوان' کملان اور پنجوان یہ چار بھائی تھے جن میں سے الگ الگ یہ چار شاخیں بنی ہیں 103۔

ط۔ فتیانہ اور تھرانہ

فتیانہ اور تھرانہ ضلع ساہیوال کی مشہور اقوام ہیں جن کا تعلق سیالوں سے ہے۔ یہ قومیں اس ضلع میں بے حد ممتاز مقام رکھتی ہیں۔ ان قوموں کا بھی اپنی اصل کے متعلق کم و بیش وہی دعویٰ ہے جو سیالوں کے باب میں ہم بیان کر آئے ہیں یعنی یہ پنوار راجپوت ہیں اور زمانہ قدیم میں دھارا نگر میں رہتے تھے۔ ان کا جد امجد سیو رائے شنکر کا بیٹا تھا جو پہلے پہل جام پور میں آباد ہوا تھا۔ وہاں اس کا کسی قوم سے جھگڑا ہوا

علاؤ الدین غوری کے دور میں پنجاب آئے جہاں ۱۲۵۸ھ میں ان لوگوں نے بابا فرید گنج شکر کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔ زمانہ قدیم میں انہوں نے یہاں سے کھرل قوم کو بے دخل کرکے ان کی اراضی پر قبضہ کرلیا تھا۔ یہ لوگ راوی کے کنارے آباد ہوئے تھے۔ ان لوگوں نے ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں بھی بھرپور حصہ لیا تھا اور تاریخ کے صفحات پر اپنی بہادری و جوانمردی کی داستانیں رقم کی تھیں۔ جنگ آزادی کے دوران فتیانہ برادری کا سردار بہلول تھا جبکہ تہرانہ برادری کے سردار جھلا اور مراد تھے۔ جھلا لڑائی کے دوران شہید ہوگیا تھا۔ یہ لوگ عموماً بڑے خوبصورت ڈیل ڈول کے جوان ہوتے ہیں اور بے حد نڈر اور بہادر ہیں 104۔

ٹوانے

ٹوانے

ٹوانوں کا بھی پنجاب کی تاریخ میں اہم رول رہا ہے اور یہ لوگ کافی اثرورسوخ کے مالک رہے ہیں۔ شاہ پور کے نزدیک مٹھ ٹوانہ ان کا مرکز رہا ہے۔ اس علاقہ کو اس قوم کے اجداد نے آباد کیا تھا۔ اس قوم کی عہد ماضی کی تاریخ کم و بیش وہی ہے جس کا تذکرہ ہم سیالوں کے عنوان میں کر آئے ہیں۔ سیالوں سے رشتہ داری کو یہ لوگ خود تسلیم کرتے ہیں اور اپنی اصل پنوار راجپوت ہی بتاتے ہیں۔ یہ لوگ بھی سیالوں کی طرح پندرھویں صدی عیسوی کے اختتام پر پنجاب میں داخل ہوئے۔ پہلے پہل یہ لوگ سندھ کے قریب جہانگیر کے مقام پر آباد ہوئے تھے۔ بعد میں وہاں سے اٹھ کر شاہ پور تھل آئے اور مٹھ ٹوانہ آباد کیا۔ مٹھ ٹوانہ کی وجہ تسمیہ یہی بتائی جاتی ہے کہ یہاں اس قوم کے اسلاف نے ایک کنواں کھودا تھا جس کا پانی بے حد شیریں تھا۔ اسی نسبت سے گویا اس گاؤں کا نام مٹھ ٹوانہ رکھا گیا تھا۔ ماضی میں یہ قوم بھی یہاں کی دیگر اقوام کی طرح خانہ بدوش رہی ہے۔

ان کے متعلق جیسا کہ ہم بتا چکے ہیں ابتداء میں یہ لوگ دریائے سندھ کے کنارے جہانگیر کے مقام پر آباد ہوئے تھے۔ غالباً ان لوگوں نے بھی سیالوں کی طرح حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا تھا۔ جہانگیر کے مقام پر یہ لوگ کافی عرصہ آباد رہے۔ انہوں نے بالآخر اپنے ایک سردار میر علی خان کی سرکردگی میں وہاں سے نقل مکانی کی۔ نقل مکانی کی وجہ غالباً یہی تھی کہ وہاں پینے کا پانی (میٹھا پانی) دستیاب نہ تھا۔ ایک صوفی بزرگ فقیر حاجی سلطان نامی ان کے سردار میر علی خان کے مرشد تھے۔ مرشد صاحب نے میر علی خان کو ہدایت کی تھی کہ وہ اپنی قوم کے ہمراہ مشرق کی سمت کو روانہ ہوجائیں اور میٹھے پانی کی کوئی جگہ تلاش کریں۔ چنانچہ مرشد صاحب کے حسب ارشاد انہوں نے ایسا ہی کیا اور مشرق کے علاقہ دندہ میں آکر شاہ پور

کی سرزمین میں ایک گھوں اوکھلی موہلہ کے نام سے بسایا۔ میر علی خان کی وفات کے بعد اس کا بیٹا میر احمد خان قوم کا سردار بنایا گیا۔ میر احمد خان نے اوکھلی موہلہ سے سات میل مشرق کی طرف میٹھا پانی تلاش کرلیا اور اسی نسبت سے وہاں ایک نیا قصبہ مٹھہ ٹوانہ آباد کیا۔

میر احمد خان اپنے ہمسایہ اعوانوں سے بے حد عداوت رکھتا تھا اور گاہے بہ گاہے ان کے علاقوں پر قبضہ کرکے اپنے علاقے کی توسیع کرتا رہتا تھا۔ اعوانوں سے اس نے متواتر کئی لڑائیاں لڑیں۔ ایک موقع پر اس نے موجودہ قصبہ ھڈالی کے قریب شب خون مار کر اعوان برادری کے بے شمار آدمی قتل کردیئے۔ ایک روایت ہے کہ ان مقتولین کے جسموں کے گوشت گل سڑ گئے اور صرف ھڈیوں کے ڈھیر کافی عرصہ تک وہاں پڑے رہے جس کی وجہ سے اس قصبہ کو ھڈالی کا نام دیا گیا یعنی ھڈیوں والی جگہ۔ تاہم یہ روایت غلط ہے۔ موضع ھڈالی کے قریب زمانہ قدیم میں کھدائی کے دوران کافی انسانی ھڈیاں برآمد ہوئی تھیں۔ جس کی بناء پر اس موضع کا نام ھڈالی پڑ گیا تھا۔ بہر صورت اس میں کوئی شک نہیں کہ ٹوانہ سرداروں میں سے اعوانوں کا سب سے بڑا دشمن میر احمد خان ہی تھا۔ میر احمد خان کا زمانہ لگ بھگ سترھویں صدی عیسوی کے آخری ربع کا ہے۔

اس میر احمد خان کی اعوانوں سے روایتی دشمنی کے متعلق رؤسائے پنجاب کے مصنف سر لیپل ایچ گریفن نے لکھا ہے کہ

"میر احمد خان کی اپنے ہمسایہ اعوانوں کے ساتھ متواتر لڑائیاں رہیں اور مٹھا ٹوانہ سے پانچ میل کے فاصلہ پر بمقام ھڈالی اس نے اعوانوں کے بہت سے آدمی قتل کرکے انہیں شکست دی"

میر احمد خان کے بعد جب ان کے جانشینوں یعنی دادو خان اور شیر خان کا دور آیا تو انہوں نے اپنے علاقہ کو بے حد ترقی دی اور اسے سرسبز و شاداب قطعہ اراضی بنا ڈالا اور مٹھہ ٹوانہ جلد ہی ایک پررونق قصبہ بن گیا۔ ان سرداروں نے جہلم اور منکیرہ سے گھڑ اور چاہل قوم کے لوگوں کو اس علاقہ میں آباد ہونے کی دعوت دی اور ان کے ذریعے اس علاقہ کی زمینوں کو ہموار اور قابل کاشت بنوالیا۔ اسی دور میں دریائے چناب

کے بالائی علاقوں کے رہنے والے نون بھی اپنے علاقہ سے اٹھ کر یہاں آئے اور ٹوانوں کے ساتھ آباد ہوگئے۔

میر احمد خان کے دو بیٹوں شیر خان اور عالم شیر خان نے اپنے باپ کی جابرانہ و ظالمانہ حکومت کے خلاف علم بغاوت بلند کیا تھا اور اپنے چچا میر خان اور باپ یعنی میر احمد خان کو شکست دے کر قلعہ کی دیواروں کے ساتھ قتل کردیا تھا۔ اس بغاوت میں یہاں کے عوام نے ان دونوں بھائیوں کا بھرپور ساتھ دیا۔ غالباً" وہ لوگ بھی میر احمد خان کی جابرانہ و استحصالی حکومت سے تنگ آچکے تھے۔ شیر خان اور عالم شیر خان دونوں بھائی بعد میں ٹوانوں کے مشترکہ سردار رہے اور ان کی آپس میں کبھی ناچاکی نہیں ہوئی۔ ان دونوں بھائیوں نے اپنے علاقہ کو مزید وسعت دی اور ہمسایہ اعوانوں سے وڑچھہ اور کوہستان نمک کا کافی سارا علاقہ چھین کر اپنی حدود میں شامل کرلیا۔ خصوصاً" عالم شیر خان اعوانوں کا اپنے باپ میر احمد خان سے بھی بڑھ کر دشمن ثابت ہوا۔ اعوانوں سے اس عالم شیر خان کی روائتی دشمنی کا تذکرہ کرتے ہوئے روسائے پنجاب کے مصنف سر لیپل ایچ گریفن رقم طراز ہیں کہ

"عالم شیر خان اعوانوں کا شکار دنیا کے سب شکاروں سے بہترین سمجھ کر کرتا تھا۔ اکثر اکیلا بندوق ہاتھ میں لئے پہاڑوں میں چلا جاتا تھا اور ان شوقینوں کی طرح جو غریب تیتروں کا شکار کرنا اولوالعزمی سمجھتے ہیں' دو تین اعوانوں کو مارنے کے بعد گھر واپس آکر کھانا کھاتا تھا"

جس زمانے میں شیر خان ٹوانوں کے سردار تھے' ٹوانے ڈیرہ اسماعیل خان کے ناظمان حکومت کو خراج دیا کرتے تھے۔ شیر خان نے اپنے آپ کو ناظمان حکومت ڈیرہ غازی خان سے طاقتور خیال کرتے ہوئے انہیں خراج دینا بند کردیا۔ بلکہ عالم شیر خان نے تو ناظماں ڈیرہ جات کے بھیجے ہوئے آدمیوں کو نہ صرف خراج نہ دیا بلکہ حملہ کرکے ان کے سردار کو بھی قتل کردیا۔ جبکہ باقی ماندہ جان بچا کر بھاگ گئے۔

۱۷۴۵ء میں شیر خان ٹوانہ نے نور پور ٹوانہ آباد کیا اور یہ مقام بھی مٹھہ ٹوانہ کی طرح تھوڑے ہی عرصہ میں سرسبز و شاداب بن گیا۔ شیر خان کی قوت یہاں تک

بڑھی کہ اس نے جھنگ کے اپنے بھائی بند سیالوں کو بھی آنکھیں دکھانا شروع کردیں۔
خصوصاً اس نے جھنگ کے سیالوں کے مشہور و جنگجو سردار عنایت خان سے جھگڑا پیدا
کرلیا۔ اس جھگڑے کی وجہ یہ بنی کہ عنایت خان نے دریائے جہلم کے دائیں کنارے
آباد ایک مقام ماڑی پر قبضہ کرلیا۔ یہ مقام نواب آف ملتان کی عملداری میں آتا تھا۔
عنایت خان نے یہ مقام نواب آف ملتان سے چھین کر شیر خان ٹوانہ کو اس شرط پر
دے دیا کہ وہ اس علاقہ کا باقاعدہ سالانہ حق الخلعت اسے ادا کیا کرے گا۔ شیر خان
کچھ عرصہ تو یہ رقم باقاعدہ ادا کرتا رہا۔ تاہم بعد میں اس نے ادا کرنے سے انکار کردیا۔
شیر خان نے انکار کے بعد سیالوں پر حملہ کی غرض سے اپنی قوم کے جوانوں کی ایک فوج
جمع کی اور سیالوں کے ایک قلعہ کوٹ لنگر خان کا محاصرہ کرلیا۔ عنایت خان نے جب یہ
خبر سنی تو وہ بھی مقابلہ کے لئے سیالوں کی فوج لے کر روانہ ہوا۔ مقام بھور پر ان
دونوں رشتہ دار و بھائی بند قوموں کی زبردست لڑائی ہوئی۔ تاہم عنایت خان نے سیالوں
کی جنگجو فوج کے ساتھ اس معرکہ کارزار میں ٹوانوں کو شکست فاش دی اور اپنا علاقہ وا
گزار کروالیا۔ عالم شیر خان اپنے بھائی شیر خان کے ساتھ پہلے ہی ایک لڑائی میں مارا گیا
تھا۔ عالم شیر خان کے قتل ہونے کے بعد شیر خان کئی سال تک متواتر بلا شرکت غیرے
ٹوانوں کا مشترکہ سردار رہا۔ اور ۱۷۶۷ء میں دو بیٹے خان محمد خان اور خان بیگ خان
چھوڑ کر فوت ہوا۔ خان محمد خان چونکہ بڑا تھا لہٰذا اس کو باپ کا جانشین مقرر کیا گیا۔
خان محمد خان کے پاس جونہی ٹوانوں کی حکومت آئی، بتالہ، ہڈالی اور ہموکا کے باشندوں
نے علم بغاوت بلند کردیا۔ ان علاقوں میں حسنال اور مستیال اقوام آباد تھیں۔ خان محمد
خان نے بڑی مشکل سے اس بغاوت پر قابو پایا۔ ہم بیان کر آئے ہیں کہ خان محمد خان
کے والد شیر خان نے اپنے دور میں جھنگ کے سیالوں سے جنگ لڑی تھی اور ظاہر ہے
یہ دشمنی ان دونوں بھائی بند قبیلوں میں خان محمد خان کے دور تک چلی آرہی تھی۔ خان
محمد خان خوب جانتا تھا کہ وہ کسی بھی صورت میں سیالوں کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ ظاہر
ہے سیال قوم عددی لحاظ سے ٹوانوں پر نمایاں فوقیت رکھتی تھی۔ خان محمد خان نے بے
حد دانشمندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے سیالوں کے ساتھ دشمنی کی اس آگ کو ٹھنڈا کرنے
کے لئے جھنگ کا خیر سگالی کا دورہ کیا۔ جھنگ کے سیالوں نے بھی اس خیر سگالی کا بڑا اچھا

اور مثبت جواب دیا۔ تاہم ابھی خان محمد خان جھنگ میں ہی تھا کہ اس کے چھوٹے بھائی
خان بیگ خان نے مٹھہ ٹوانہ اور اسکے نواح کے علاقوں پر قبضہ کرلیا اور اپنے بھائی کی
حکومت کا تختہ الٹ دیا۔ خان محمد خان جب جھنگ کے کامیاب دورہ سے واپس آیا تو
اس نے دیکھا کہ مٹھہ ٹوانہ کے دروازے اس کے لئے بند ہوچکے ہیں۔ خان محمد خان
فوراً واپس پلٹا اور نور پور ٹوانہ چلا گیا۔ وہاں اس نے اپنے حامیوں کی ایک فوج جمع کی
اور اپنے باغی بھائی کو سبق سکھانے کے لئے اس پر چڑھ دوڑا۔ اس کا بھائی خان بیگ
خان بڑے بھائی کا زیادہ دیر تک مقابلہ نہ کرسکا اور شکست کھا گیا۔ شکست کے بعد خان
محمد خان نے اسے گرفتار کرکے قید میں ڈال دیا۔ تاہم بعد میں خان بیگ خان نے صدق
دل سے تائب ہو کر اپنے بھائی کی تازیست اطاعت و فرمانبرداری کا اقرار کرلیا جس کی بنا
پر خان محمد خان نے بھی اسے رہا کردیا۔ خان محمد خان کے دور میں بھی ٹوانوں نے بے
حد ترقی کی اور مضبوط و منظم قوم بن کر ابھرے۔ تاہم خان محمد خان اپنی زندگی میں کبھی
چین سے نہ بیٹھا اور اسے متواتر کئی لڑائیاں لڑنی پڑیں۔ نواب آف منکیرہ نے ایک بار
نور پور تھل پر حملہ کردیا اور ایک ماہ سے زیادہ عرصہ ٹوانوں کا محاصرہ کئے رہا۔ تاہم اس
معرکہ میں بھی فتح و کامرانی نے خان محمد خان کے قدم چومے اور نواب آف منکیرہ
شکست کھا کر بھاگ گیا۔

خان محمد خان کے دور میں خوشاب کے علاقہ کا سردار رئیس لال خان نامی تھا۔
خان محمد خان کی لال خان سے ہمیشہ دوستی رہی اور ان دونوں پڑوسی سرداروں کا باہم کبھی
جھگڑا نہیں ہوا تھا۔ تاہم لال خان کے جانشین اور بڑے بیٹے جعفر خان کو ہمیشہ خان محمد
خان کے توسیع پسندانہ عزائم کی وجہ سے خطرہ لاحق رہتا تھا کہ کہیں وہ ان کے علاقہ پر
نہ چڑھ دوڑے۔ اسی خدشہ کے پیش نظر جعفر خان نے اس ٹوانہ سردار سے چھٹکارا
پانے کے لئے منصوبہ بندی شروع کردی تھی۔ ایک بار خان محمد خان کسی کام سے
خوشاب آیا ہوا تھا کہ جعفر خان نے اس پر خفیہ حملہ کرکے اسے قتل کرنے کا منصوبہ
تیار کیا۔ اتفاق سے خان محمد خان کو اس منصوبے کا بروقت پتہ چل گیا اور خطرہ کو بھانپ
کر وہ واپس اپنے قصبہ کی طرف بھاگ آیا۔ یہاں آکر اس نے جعفر خان کے والد لال
خان پر چڑھائی کرنے کے لئے فوج جمع کرنی شروع کردی۔ لال خان کو جب اس بات کا

علم ہوا تو وہ اپنے چھوٹے بیٹے حاکم خان اور اپنی بیگم نور بھری کے ہمراہ مٹھ ٹوانہ میں خان محمد خان کو یہ یقین دلانے کے لئے آیا کہ وہ بے گناہ ہے۔ لیکن خان محمد خان اس سنہری موقع کو بھلا کب ہاتھ سے جانے دیتا تھا؟ اس نے ان تینوں کو گرفتار کرلیا۔ انھیں اپنی توپوں کے دھانے پر باندھ دیا اور خوشاب شہر پر چڑھائی کردی۔ اس نے یہ اعلان بھی کردیا کہ اگر خوشاب کے لوگوں نے جوابی کاروائی کی تو ان تینوں کو توپ کے گولوں کے ہمراہ اڑادے گا۔ لال خان کے بیٹے جعفر خان کی ان دنوں سوکر پکیہ مثل کے سکھ سردار مہان سنگھ سے بڑی دوستی تھی اس نے اس نازک موقع پر اپنے دوست سے مدد و اعانت کی درخواست کی۔ مہان سنگھ لاتعداد فوج لے کر جعفر خان کی مدد کو پہنچ گیا اور یوں خان محمد خان خوشاب فتح کئے بغیر واپس لوٹ آیا۔ تاہم اس نے ظلم عظیم یہ کیا کہ لال خان، اس کے بیٹے حاکم خان اور اس کی بیوی نور بھری کو بے گناہ قتل کردیا۔

خان محمد خان کی سفاکانہ طبیعت سے اس کا چھوٹا بھائی خان بیگ خان بھی بے حد شاکی تھا۔ اس نے ایک موقع پر بغاوت بھی کی تھی لیکن وہ مکمل طور پر ناکام ہوگئی تھی۔ اب جبکہ خان محمد خان کے ظلم و ستم حد سے بڑھ گئے تو ایک بار پھر خان بیگ خان نے اپنے بھائی کا تختہ الٹنے کے لئے سازش تیار کی۔ اس نے اپنے ساتھ گڑھ مہاراجہ کے ایک رئیس رجب خان سیال، ساہیوال کے رئیس فتح خان اور خوشاب کے رئیس جعفر خان کو ملالیا۔ کچھ عرصہ تو خان محمد ان تینوں دشمنوں کے متحدہ محاذ کا مقابلہ کرتا رہا لیکن طاقت کا توازن سراسر اس کے خلاف تھا اور وہ بیک وقت تین رئیسوں کا مقابلہ کرنے سے قاصر تھا۔ چنانچہ مجبوراً خان محمد خان نے رنجیت سنگھ کی حکومت سے مدد کی درخواست کی۔ یہ ۱۸۰۳ء کی بات ہے۔ اس وقت تک رنجیت سنگھ کی حکومت کوئی زیادہ مضبوط نہیں تھی اور خصوصاً پنجاب کے ان علاقوں پر جارحیت کرنا اس کے بس کا روگ نہ تھا۔ رنجیت سنگھ نے جب خان محمد کی مدد و اعانت سے معذوری کا اظہار کیا تو خان محمد خان نے خصوصاً اپنے باغی بھائی خان بیگ خان کو اپنے دام فریب میں پھانسنے کے لئے ایک زبردست سازش تیار کی اور رنجیت سنگھ کو ایک لاکھ روپیہ رشوت دے کر اپنے ساتھ اس سازش میں شریک کرلیا۔ خان محمد خان اور رنجیت سنگھ کے مابین خفیہ طور پر یہ طے پایا کہ رنجیت سنگھ اپنا لاؤ لشکر لے کر بظاہر

خان محمد خان پر چڑھ دوڑے۔ اس طرح خان بیگ خان اور اس کے اتحادی یہ سمجھیں گے کہ رنجیت سنگھ، خان محمد خان کے دگرگوں حالات کا فائدہ اٹھا کر اس کی ریاست پر قبضہ کرنا چاہتا ہے۔ یہ بھی طے پایا کہ جب رنجیت سنگھ خوشاب کے قریب پہنچے گا تو خان محمد خان اپنے علاقہ سے بظاہر جان بچا کر بھاگ جائے گا۔ اس کے بعد خان بیگ خان رنجیت سنگھ کو اپنا حامی و دوست سمجھ کر اس پر اعتماد کرلے گا اور اس کے استقبال کے لئے بلا تردد اس کے پاس چلا آئے گا، پھر رنجیت سنگھ کے لئے اسے، اس کے بھائی کے حوالے کردینا آسان ہوجائے گا۔ چنانچہ خان محمد خان اور رنجیت سنگھ کی یہ سازش ان کے حسب منشا پوری ہوگئی۔ جب رنجیت سنگھ لشکر لے کر بظاہر خان محمد خان پر حملہ کی غرض سے مٹھ ٹوانہ کے نزدیک پہنچا تو خان محمد خان محض دکھاوے کی خاطر جان بچا کر بھاگ نکلا۔ اس پر خان بیگ خان اور اس کے اتحادی روساء میں خوشی کی ایک لہر دوڑ گئی۔ خان بیگ خان اس سازشی حملہ آور رنجیت سنگھ کو اپنا حامی و دوست سمجھ کر اس کے استقبال کے لئے آ حاضر ہوا۔ چنانچہ رنجیت سنگھ نے بڑی آسانی سے اسے قید کرکے خان محمد خان کے حوالے کردیا۔ خان محمد خان نے اپنے اس باغی بھائی کی فوراً گردن ماردی۔ چنانچہ اس سازش کو پایۂ تکمیل تک پہنچا کر رنجیت سنگھ ایک لاکھ روپے کے علاوہ اردگرد کے مسلمان روساء سے خراج وغیرہ بھی لے کر لاہور واپس لوٹا۔ جب خان محمد خان نے اپنے سگے بھائی کو قتل کرکے ریاست دوبارہ واپس لے لی تو ریاست کے اندر ہی اندر عوام میں خان محمد خان کے خلاف نفرت کی ایک شدید لہر دوڑ گئی۔ خصوصاً اس کا اپنا بیٹا احمد یار خان بھی اس سے باغی ہوگیا اور ریاست کے تمام عوام احمد یار خان کے حامی بن گئے۔ خان محمد خان کے لئے اب مصلحت کا یہی تقاضہ تھا کہ وہ ریاست اپنے اس بیٹے کے حوالے کردے اور اس نے ایسا ہی کیا۔ لیکن احمد یار خان کے والد بزرگوار نے اردگرد کے روساء سے دشمنی کے جو کانٹے بلا وجہ بکھیر دیے تھے انھوں نے احمد یار خان کو کبھی چین کی نیند نہ سونے دیا۔ خصوصاً رئیسان ساہیوال و مانکیرہ سے اسے بے شمار لڑائیاں لڑنی پڑیں۔ آئے دن کی لڑائیوں میں احمد یار خان کئی بار فتح و کامرانی سے بھی ہمکنار ہوا اور کئی بار اسے شکست فاش بھی ہوئی۔ ان روز روز کی لڑائیوں نے اس ٹوانہ سردار کو بے حد کمزور کردیا اور اس کمزوری کا فائدہ رنجیت

سنگھ نے اٹھایا۔ چنانچہ اس نے ۱۸۱۷ء میں اپنے ایک جرنیل دیوان چند کی کمانڈ میں اس ٹوانہ رئیس سے لڑنے کے لئے فوج نور پور کی جانب روانہ کی۔ محض معمولی سی مدافعت کے بعد ٹوانے شکست کھا گئے اور نور پور کے قلعہ پر سکھوں کی فوج نے قبضہ کرلیا۔ بذات خود احمد یار خان مانکیرہ کی طرف بھاگ گیا۔ سکھوں نے نور پور میں تھوڑی سی فوج قلعہ کی حفاظت کے لئے چھوڑی اور واپس لاہور آگئے۔ چنانچہ احمد یار خان نے سکھ فوج کے واپس مڑتے ہی اپنے علاقہ پر دوبارہ قبضہ کرلیا۔ اس کے بعد کسی طریقے سے نواب آف مانکیرہ کے بیٹوں نے جنڈیالے کے قریب احمد یار خان کے بیٹوں کو قید کرلیا جبکہ خود احمد یار خان کو وہاں سے بھاگ کر جان بچانا پڑی۔ اب احمد یار خان کے پاس اس بات کے علاوہ کوئی چارۂ کار نہ تھا کہ وہ رنجیت سنگھ کی اطاعت قبول کرکے اس کا باجگزار بن جائے۔ چنانچہ اس نے یہی کیا اور مہاراجہ رنجیت سنگھ کی اطاعت قبول کرلی۔

۱۸۲۱ء میں سکھوں نے مزید پر پرزے نکالے اور مہاراجہ رنجیت سنگھ نواب آف مانکیرہ پر چڑھ دوڑا۔ احمد یار خان کی چونکہ نواب آف مانکیرہ سے پرانی عداوت چلی آرہی تھی۔ لہٰذا اس نے سکھوں کا بھرپور ساتھ دیا۔ اس دور میں مانکیرہ کا نواب حافظ احمد خان تھا۔ مانکیرہ کے نوابوں نے اپنی ریاست کی طرف آنے والے راستوں پر جابجا قلعے تعمیر کرکے بزعم خود اپنے دفاع کو ناقابل تسخیر بنا رکھا تھا۔ تاہم رنجیت سنگھ بڑی آسانی سے یکے بعد دیگرے ان رکاوٹوں کو سر کرتا گیا اور جہاں جہاں سے گزرتا گیا جابجا کنویں بھی کھودتا گیا تاکہ اس کی فوج پانی کی قلت کا شکار نہ ہونے پائے۔ راستے کے تمام قلعے فتح کرنے کے بعد رنجیت سنگھ نے خاص مانکیرہ کے قلعہ کا محاصرہ کرلیا۔ چنانچہ صرف ۲۵ دن محصور رہنے کے بعد نواب آف مانکیرہ نے بھی رنجیت سنگھ کی اطاعت قبول کرلی۔ رنجیت سنگھ نے بھی اس کی اطاعت گزاری کو قبول کرتے ہوئے اسے ڈیرہ جات کا ناظم رہنے دیا۔

اس جنگ کے دوران ہم بتا چکے ہیں کہ ٹوانے رنجیت سنگھ کے ہمراہ تھے اور انہوں نے اس کی کافی مدد و اعانت کی تھی۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ اس ٹوانہ قوم کی خوبصورتی، دلیری اور شہ سواری سے بے حد متاثر ہوا اور جب فتح و کامرانی کے

شادیانے بجاتا لاہور واپس لوٹا تو ٹوانہ جوانوں پر مشتمل ایک رسالہ بھی اپنے ہمراہ لے گیا۔ یہ رسالہ پچاس ٹوانہ نوجوانوں پر مشتمل تھا جس کا کمانڈر قادر بخش نامی شخص تھا۔ اس قادر بخش نے رنجیت سنگھ کے عہد میں خوب نام کمایا اور مہاراجہ رنجیت سنگھ کے ساتھ بے شمار مہمات میں شامل رہا۔ خصوصاً ملتان کے معرکہ میں بھی یہ سکھ افواج کے ساتھ شامل تھا۔ ۱۸۳۷ء میں اس قادر بخش کا ایک چچا زاد بھائی فتح خان بھی مہاراجہ رنجیت سنگھ کے رسالہ کا کمانڈر بنایا گیا تھا۔

احمد یار خان رئیس ٹوانہ کی اب کوئی اہمیت نہ رہی تھی۔ نہ تو اسے اپنے علاقہ میں کوئی زیادہ پذیرائی حاصل تھی اور نہ ہی رنجیت سنگھ کے دربار میں اس کی کوئی عزت و تعظیم تھی۔ چنانچہ ان حالات سے دل برداشتہ ہو کر احمد یار خان نے مہاراجہ رنجیت سنگھ کی نوکری کرلی اور ایک ہزار روپیہ سالانہ تنخواہ کے عوض وہ مہاراجہ کا چابک سوار مقرر ہوا اور پھر ۱۸۳۷ء تک یعنی مہاراجہ رنجیت سنگھ کی وفات تک وہ مہاراجہ رنجیت سنگھ کی گویا ذاتی ملازمت ہی میں رہا۔ خصوصاً اس کی شکار کے لئے ترتیب دی جانے والی مہمات کا ناظم رہا۔ انہیں ایام میں جب احمد یار خان ٹوانہ مہاراجہ رنجیت سنگھ کا ملازم تھا، اس کا بیٹا فتح خان ایک مشہور سکھ سردار ہری سنگھ کی ملازمت میں تھا۔ ۱۸۱۹ء میں اس فتح خان ٹوانہ کو مٹھہ ٹوانہ کا علاقہ جاگیر میں عطا ہوا۔ اسے یہ جاگیر غالباً ہری سنگھ نے عطا کی تھی جو اسوقت اس پر قابض تھا۔ ۱۸۵۳ء میں راجہ دھیان سنگھ نے فتح خان کو مٹھہ ٹوانہ کے علاقہ کا منیجر مقرر کردیا اور اس کی نظامت میں کوہستان نمک پر مشتمل وڑچھہ اور چوہا کے علاقے بھی دے دیئے۔ ہری سنگھ کی وفات ۱۸۳۷ء میں ہوئی۔ چونکہ فتح خان ٹوانہ کو مٹھا ٹوانہ اور اس کے نواحی علاقوں کا ناظم سردار ہری سنگھ نے بنایا تھا اور سکھوں کی لاہور حکومت کا اس میں کوئی عمل دخل نہ تھا۔ لہٰذا ہری سنگھ کی وفات کے بعد وہ لاہور آیا۔ لاہور میں فتح خان کی آمد کی غرض و غایت یہی تھی کہ وہ مٹھا ٹوانہ اور ان کے نواحی علاقوں کی نظامت کا پروانہ لاہور حکومت سے بھی حاصل کرلے تاکہ اسے لاہور کی سکھا شاہی سے کوئی خطرہ نہ رہے۔ لاہور میں راجہ دھیان سنگھ نے اس کی خوب آؤ بھگت کی اور ۱۸۳۸ء میں اس نے بھی اسے مٹھا ٹوانہ کا منیجر مقرر کردیا۔ صرف یہی نہیں بلکہ کوہستان نمک میں نمک کی کانوں

کا انتظام بھی اسی کے حوالے کردیا۔ راجہ دھیان سنگھ نے فتح خان کے ساتھ اپنے معتمد خاص کھتری پرس رام نامی کو بھی اس کی نظامت کا شریک کار بنا کر بھیج دیا تاکہ فتح خان ٹوانہ کو فری ہینڈ نہ مل سکے۔ تاہم ان دونوں کی شراکت کی نظامت زیادہ دیر نہ چل سکی۔ ۱۸۴۰ء میں فتح خان کے نام بیس ہزار روپیہ کے بقایا جات نکلے اس نے ادائیگی میں پس و پیش سے کام لیا تو شہزادہ نونہال سنگھ نے اسے بلا کر قید میں ڈال دیا اور اس وقت تک رہا نہ کیا جب تک اس نے تمام تر بقایا جات ادا نہ کردیئے۔ تاہم یہ نونہال سنگھ اس کے بعد فوت ہوگیا اور اقتدار مکمل طور پر فتح خان کے مربی و محسن راجہ دھیان سنگھ کے پاس آگیا۔ چنانچہ سکھا شاہی دربار کی طرف سے پھر سے فتح خان پر نوازشات کی بارش شروع ہوگئی۔ فتح خان کو اب علاقہ کچھی کا منیجر مقرر کردیا گیا اور فتح خان ٹوانہ کے دوسرے کئی رشتہ دار یعنی صاحب خان اور عالم خان وغیرہ میانوالی، شیخو وال اور نور پور ٹوانہ کے کاردار مقرر کردیئے گئے۔ اس کے بعد شیر سنگھ گدی نشین ہوا تو اسے علاقہ ٹانک کے انتظامی معاملات اور لگان کی وصولی میں بے حد مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ یاد رہے کہ علاقہ ٹانک پر اس وقت مروت کاتی خیل قبیلہ حکمران تھا۔ ٹانک خاندان کے آخری سردار و نواب اللہ داد خان کو سکھوں نے حملہ کرکے وہاں سے بے دخل کردیا تھا تاہم سکھوں کو ٹانک کے علاقہ پر جارحیت سے کچھ حاصل نہ ہوا تھا اور مالیہ و لگان کی وصولی ان کے لئے ہمیشہ درد سربنی رہتی تھی۔ سکھ جو دستہ بھی وہاں لگان اکٹھا کرنے کے لئے بھیجتے تھے وہاں ان پر حملہ کرکے انہیں بھگادیا جاتا تھا یا قتل کردیا جاتا تھا۔ ایسے میں دھیان سنگھ نے فتح خان ٹوانہ کو اس علاقہ کے مکمل اختیارات تفویض کرکے لگان کی وصولی کا فریضہ سونپ دیا۔ فتح خان ٹوانہ اس علاقہ کے حالات سے بخوبی آگاہ تھا۔ وہ جانتا تھا کہ بغیر نواب آف ٹانک کے تعاون کے وہاں سے لگان وصول کرنا جان جوکھوں کا کام ہے۔ چنانچہ اس نے دھان سنگھ کو تجویز پیش کی کہ اللہ داد خان نواب آف ٹانک سے صلح کرکے اسی کو نظامت ٹانک پر بحال کردیا جائے لیکن اس تجویز کو عملی جامہ پہنانے سے قبل ہی اللہ داد خان فوت ہوگیا۔ فتح خان ٹوانہ نے اب ایک دوسری راہ لگان اکٹھا کرنے کے لئے یہ اختیار کی کہ اس نے لکی مروت پہنچ کر دریائے گمیلائے کے کنارے ایک قلعہ تعمیر کرلیا۔ اس قلعہ کی تعمیر کے وقت وہاں کے

مقامی سرداروں نے رکاوٹ ڈالنے کی کوشش کی تو فتح خان نے انہیں یہ وعدہ کرکے مطمئن کردیا کہ ان کے لگان کی شرح وہ گھٹا کر بہت کم کردے گا۔ چنانچہ اس وعدے کے پیش نظر وہاں کے روساء نے قلعہ کی تعمیر میں کوئی رکاوٹ کھڑی نہ کی بلکہ اس کا بھرپور ساتھ دیا۔ لیکن یہ فتح خان کی محض چال تھی۔ جب اس نے قلعہ مکمل کرلیا اور اپنے آپ کو اور اپنے ہمراہیوں کو وہاں محفوظ کرلیا تو ارد گرد کے علاقوں سے مالیہ و لگان کے ساتھ تاوان کی ادائیگی کا بھی مطالبہ کردیا۔ اب وہاں کے روساء مجبور تھے۔ اور فتح خان کا حکم ماننے کے سوا ان کے پاس کوئی اور چارہ کار ہرگز نہ تھا۔ چنانچہ وہ محصول کے ساتھ ساتھ تاوان بھی ادا کرنے لگے۔ یہ تمام بندوبست کرچکنے کے بعد فتح خان کامیاب و کامران واپس لاہور لوٹا۔ وہ اپنے ساتھ نواب آف ٹانک اللہ داد خان کا نوعمر بیٹا شاہنواز خان بھی لاہور لے آیا۔ لاہور میں اس نوعمر نواب شاہنواز خان کی بے حد آؤ بھگت کی گئی۔ اب فتح خان کا ستارہ عروج پر تھا۔ تاہم قدرت کے کھیل نرالے ہوتے ہیں۔ ہوا یوں کہ یکایک بس ایک ہی دن میں اس کے محسن و مربی راجہ دھیان سنگھ اور مہاراجہ شیر سنگھ دونوں سندھانوالیہ سکھوں کے ہاتھوں قتل ہوگئے۔ راجہ دھیان سنگھ کے مارے جانے سے تھوڑی دیر قبل فتح خان ٹوانہ اس کے ہمراہ تھا۔ اتفاقاً سندھانوالئے سکھ اور راجہ دھیان سنگھ قلعے کے اندر چلے گئے اور فتح خان پیچھے رہ گیا کہ اچانک قلعے کے دروازے بند ہوگئے۔ فتح خان اس خطرے کو فوراً بھانپ گیا لہٰذا وہاں سے فوراً کھسک کر اپنے گھر آگیا۔ فتح خان کے اس عمل کی وجہ سے مقتول راجہ دھیان سنگھ کے بیٹے راجہ ہیرا سنگھ نے علی الاعلان فتح خان ٹوانہ پر راجہ دھیان سنگھ کے قتل کی سازش میں شریک ہونے کا الزام لگا دیا۔ اور یہ بھی اعلان کردیا کہ جو شخص فتح خان ٹوانہ کا سر کاٹ لائے گا اسے معقول انعام دیا جائے گا۔ حالانکہ یہ صرف الزام ہی تھا۔ فتح خان کو بھلا مہاراجہ دھیان سنگھ کے قتل سے کیا فائدہ ہو سکتا تھا؟ جبکہ دھیان سنگھ کے جیتے جی اسے فائدے ہی فائدے تھے۔ فتح خان کو جب یہ معلوم ہوا کہ اس کے سر کی قیمت مقرر کردی گئی ہے وہ راتوں رات بھیس بدل کر لاہور سے نکل بھاگا اور اپنے جدی علاقہ ٹوانہ آگیا۔ راجہ ہیرا سنگھ نے اسے گرفتار کرنے کے لئے فوراً فوج روانہ کردی۔ ایسے میں فتح خان دریائے سندھ کو پار کرکے بنوں کے رئیس سواہن خان

کے ہاں جا کر پناہ گزیں ہوگیا۔ سکھوں نے سواہن خان کو پیش کش کی کہ وہ تین ہزار لے کر فتح خان کو ان کے حوالے کردے۔ لیکن وڈیروں کے اس غیور سردار نے اس بات کو اپنے شایان شان نہ سمجھا اور یوں سکھوں کو بے نیل و مرام لوٹنا پڑا۔ اب فتح خان پھر سے دریائے سندھ عبور کرکے واپس آگیا اور میانوالی، عیسیٰ خیل اور اس کے نواحی علاقوں میں آباد نیازی و دیگر مسلمانوں کو سکھوں کے خلاف ہتھیار اٹھانے کے لئے ترغیب دینے لگ گیا۔ اس ٹوانہ سردار کی ان علاقوں میں خاصی جان پہچان تھی۔ لہٰذا ان علاقوں کے کئی لوگ اس کے ہمراہ اٹھ کھڑے ہوئے۔ چنانچہ فتح خان نے ان لوگوں کی جمعیت ہمراہ لی اور اردگرد کے ان علاقوں پر ٹوٹ پڑا جو سکھوں کو لگان دیتے تھے۔ راجہ ہیرا سنگھ نے اس سے مقابلے کے لئے فوجی دستے روانہ کئے لیکن اس ٹوانہ سردار نے انہیں پے درپے عبرت ناک شکستیں دیں۔ سکھا شاہی نے مجبور ہو کر سردار منگل سنگھ کی کمانڈ میں ایک باقاعدہ زبردست فوج فتح خان کی سرکوبی کے لئے روانہ کی۔ اس پر فتح خان مقابلہ بے سود سمجھ کر پھر سے دریائے سندھ کے پار بھاگ گیا اور سکھوں نے مٹھا ٹوانہ کا قصبہ لوٹ کر مکمل طور پر تباہ و برباد کردیا۔

تاہم اسے فتح خان کی خوش نصیبی سمجھئے کہ قدرت ایک بار پھر اس پر مہربان ہوگئی۔ اچانک راجہ ہیرا سنگھ اور پنڈت حکومت سے برطرف کردئے گئے اور یہی فتح خان کے سب سے بڑے جانی دشمن تھے۔ ان دونوں کی برطرفی کے بعد فتح خان کے ایک اور سکھ دوست سردار جواہر سنگھ کو وزیر بنادیا گیا۔ اس خبر کے سنتے ہی فتح خان بے دھڑک لاہور آگیا اور لاہور میں پھر سے اس کی بے حد آؤ بھگت کی گئی۔ جواہر سنگھ نے اس پر بے حد مہربانی کی اور دیوان سکھی مل کو جسے مہاراجہ رنجیت سنگھ نے ڈیرہ اسمٰعیل خان اور بنوں کا ناظم مقرر کیا ہوا تھا برطرف کرکے یہ نظامت فتح خان کے سپرد کردی۔

جس دور میں جواہر سنگھ کو اقتدار ملا ان دنوں مہاراجہ رنجیت سنگھ کا بیٹا پشاورا سنگھ زندہ تھا۔ یہ سکھ شہزادہ عوام میں بے حد مقبول تھا اور بے حد رعایا پرور سمجھا جاتا تھا۔ تمام سکھ برادری اس کی گرویدہ تھی۔ مسلمان قومیں بھی اس کی عزت کرتی تھیں۔ جواہر سنگھ کو پشاورا سنگھ سے بغاوت کا کما حقہ خطرہ تھا۔ یہ پشورا سنگھ ان دنوں اٹک

کے قلعہ پر قابض تھا۔ چنانچہ جواہر سنگھ نے پشاورا سنگھ کو اپنی راہ سے ہٹانے کی ڈیوٹی فتح خان ٹوانہ اور سردار چتر سنگھ اٹاری والا کی لگائی۔ ان دونوں نے آٹھ ہزار کی فوج کے ساتھ شہزادہ پشاورا سنگھ کا اٹک کے قلعہ میں محاصرہ کرلیا۔ چونکہ اہل قلعہ پشاورا سنگھ پر جان دیتے تھے۔ لہٰذا وہ مرنے مارنے پر آمادہ ہوگئے۔ چنانچہ ان حالات میں فتح خان اور سردار چتر سنگھ کو بزور بازو قلعہ فتح کرنا ناممکن نظر آیا تو انہوں نے چالبازی و مکاری سے کام لیا اور شہزادہ پشاورا سنگھ کی مکمل حفاظت کا وعدہ کرلیا۔ پشاورا سنگھ ان کے دام فریب میں آگیا اور اس نے قلعہ ان کے حوالے کردیا۔ یہ دونوں سردار اس کامیابی پر بے حد خوش ہوئے اور شہزادے کو پھانس کر لاہور کی طرف لوٹے۔ جب یہ لوگ شہزادہ کے ہمراہ حسن ابدالی کے قریب پہنچے تو انہیں سکھا شاہی دربار سے پیغام ملا کہ وہ فی الحال پشاورا سنگھ کو لاہور نہ لائیں۔ اس لئے کہ لاہور میں پشاورا سنگھ کی موجودگی سے عام بغاوت پھوٹ سکتی ہے۔ بہتر یہی ہے کہ شہزادہ کو شمالی علاقوں میں رکھا جائے۔ یہ پیغام ملتے ہی فتح خان اور اس کے ساتھ سردار چتر سنگھ پر اوس پڑ گئی۔ وہ خوب جانتے تھے کہ سکھ فوج مکمل طور پر شہزادہ پشاورا کی حامی ہے۔ اور لاہور میں ان کے ساتھ کوئی اچھا سلوک نہیں کیا جائے گا۔ چنانچہ ان دونوں نے شہزادہ پشاورا سنگھ کا وجود ہی ختم کرنے کی ٹھان لی۔ رات کے وقت اچانک اس کے خیمے پر حملہ کردیا اور اسے گرفتار کرکے واپس قلعہ اٹک لے گئے جہاں رات کی تاریکی میں اس کا گلا دبا کر اسے دریائے سندھ کی نذر کردیا۔ قتل ہونے سے پہلے شہزادہ پشاورا سنگھ نے ان سے یہ درخواست بھی کی تھی کہ اسے ڈھال اور تلوار دے دی جائے تاکہ وہ تن تنہا ٹوانہ و اٹاری کے سوار اور ان کی فوج کا مقابلہ کرتا ہوا جوانمردی سے اپنی جان جان آفریں کے سپرد کرے لیکن اس کی یہ درخواست نہ مانی گئی۔ روسائے پنجاب کے مصنف سر لیپل ایچ گرفن بھی پشاورا سنگھ کے اس ظالمانہ، سفاکانہ اور دردناک قتل کی تفصیل درج کرتے ہوئے جذباتی ہوجاتے ہیں اور اس واقعہ کو بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں:۔

"پنجاب کی برائیوں کی تاریخ میں اس قتل سے بڑھ کر کوئی ظلم کا واقعہ درج نہیں ہے۔ پشاورا سنگھ بڑا وجیہہ، اولوالعزم اور بہادر نوجوان تھا۔ رعایا اور فوج کو اس سے یکساں محبت تھی۔ اور اس

سے صرف وہی اشخاص نفرت و عداوت رکھتے تھے جن کو اپنے
ساتھ اس کی مخالفت کا اندیشہ تھا۔ مگر اس بے گناہ کا خون رنگ
لائے بغیر نہ رہا۔ اس کے قتل کے مرتکب اور اصلی محرک دونوں
کو بہت سخت پاداش ملی۔ یعنی بدباطن اور کمینہ خوچتر سنگھ اپنے
وطن سے سینکڑوں میل دور جلا وطنی کی حالت میں مرا۔ جواہر
سنگھ' اس قتل کے اصلی بانی کو تھوڑے ہی عرصہ بعد اس کی فوج
نے یورش کر کے مار ڈالا اور ملک فتح خان (ٹوانہ) پر اس کردار بد
کی شامت سے جو مصیبتیں پڑیں ان کی تفصیل الگ ہے۔"

بہر کیف فتح خان ٹوانہ نے شہزادے کو قتل کرنے کے بعد کالا باغ (میانوالی)
کے مقام سے دریائے سندھ عبور کیا اور ڈیرہ اسمٰعیل خان کے صوبہ پر قبضہ کرلیا۔ یاد
رہے کہ راجہ جواہر سنگھ نے بھی اسے ڈیرہ اسمٰعیل خان کا صوبہ دار بنایا تھا۔ اس وقت
دولت رائے جو ڈیرہ اسمٰعیل خان کا سابق ناظم تھا مدافعت کے قابل نہ تھا لہٰذا فتح خان
نے وہاں کا نظام سنبھال لیا۔ اب چونکہ سکھا شاہی روبہ زوال ہو چکی تھی لہٰذا فتح خان
نے ڈیرہ اسمٰعیل خان میں مکمل قدم جمانے کا ارادہ کرلیا۔ وہاں اسے علاقہ کے سرداروں
سے زیادہ دھڑکا تھا چنانچہ اس نے پہلا کام ہی انہیں اپنی راہ سے ہٹانے کا کیا۔ اس نے
ان تین علاقائی سرداروں یعنی جاگیردار پائندہ خان' عاشق محمد خان اور حیات اللہ خان کو
حسب عادت ڈیرہ اسمٰعیل خان میں دعوت دے کر بلالیا۔ ان تینوں میں سے سردار
پائندہ خان قدرے گرم مزاج کا انسان تھا۔ اور یہ بات فتح خان اچھی طرح جانتا تھا۔
چنانچہ فتح خان نے جان بوجھ کر اپنے دربار میں پائندہ خان کی تذلیل کی۔ پائندہ خان تو
خون کے گھونٹ پی کر خاموش ہوگیا تاہم اس کے نوجوان بیٹے سکندر خان سے اپنے والد
محترم کی توہین برداشت نہ ہوسکی اور اس نے تلوار نکال لی۔ اس پر فتح خان ٹوانہ کا
جمعدار تاجہ نامی اس کے مقابلے میں آگیا۔ سکندر خان نے تاجہ پر حملہ کر کے اسے قتل
کردیا۔ فتح خان تو بس یہی چاہتا تھا کہ کسی طرح اسے ان دشمنوں کو ختم کرنے کا بہانہ
ہاتھ آئے۔ چنانچہ اس نے صورت حال کا فائدہ اٹھا کر نہ صرف پائندہ خان اور اس کے
بیٹے سکندر خان کو قتل کروادیا بلکہ عاشق محمد خان اور ایک دوسرے سردار نصیر اللہ خان

کو بھی فنا کے گھاٹ اتار دیا۔ حیات اللہ خان بمشکل جان بچا کر نواب شیر محمد خان کے
پاس جا کر پناہ گزیں ہوگیا اور اس نے بعد میں چالیس ہزار روپیہ زر فدیہ ادا کر کے گلو
خلاصی کرائی۔

فتح خان کے ان کارناموں کی اطلاع جب لاہور پہنچی تو حکام کو اس کا وجود بے
حد ناگوار گزرا تاہم فتح خان نے اس وقت کے راجہ لال سنگھ' اس کی مہارانی اور
مہارانی کی کنیز کو ڈھیر سارا روپیہ رشوت میں دے کر اپنے تحفظ کا یقین حاصل کرلیا۔
لاہور سے فتح خان کی بجائے دیوان دولت رائے کو ڈیرہ اسمٰعیل خان کا ناظم بنا کر روانہ
کیا گیا۔ فتح خان ٹوانہ نے بھی دولت رائے کے سامنے مزاحمت کرنے کا پکا ارادہ کرلیا
اور جب دولت رائے بھکر کے مقام پر پہنچا تو ملک فتح خان نے اس پر حملہ کے ارادہ
سے دریائے سندھ عبور کیا مگر دیوان دولت رائے کے ہمراہ باقاعدہ فوج تھی جسے دیکھ کر
فتح خان ٹوانہ کی ہمت جواب دے گئی۔ چنانچہ وہ مجبوراً ڈیرہ اسماعیل خان کی طرف واپس
لوٹ گیا۔ دولت رائے نے اس کا تعاقب کیا اور ڈیرہ پر چڑھائی کردی۔ ملک فتح خان
ٹوانہ نے تین ہزار آدمیوں کی جمعیت اپنی حفاظت کے لئے قلعہ کے باہر کھڑی کر رکھی
تھی لیکن یہ لوگ سکھوں کی باقاعدہ فوج کا مقابلہ نہ کرسکے اور پہلے ہی حملہ میں فتح خان
کو تنہا چھوڑ کر بھاگ گئے۔ فتح خان کو اب مجبوراً پسپا ہو کر قلعہ رکال گڑھ کی طرف ہٹنا
پڑا جہاں کا انچارج اس کا بیٹا فتح شیر خان تھا۔ اس قلعہ میں پہنچ کر اس نے اپنے تمام
قیدیوں کو تہ تیغ کردیا اور اسی رات دریائے سندھ عبور کر کے اپنے جدی علاقہ مٹھا ٹوانہ
کو چلا گیا۔ اسی دور میں سکھوں اور انگریزوں کی لڑائیاں شروع ہوگئیں اور فتح خان
انگریزوں کا حامی بن گیا۔ تاہم اسی دوران میں فتح خان سے اس کی نظامت کا حساب
کتاب طلب کرلیا گیا۔ دیوان دینا ناتھ نے فتح خان کے ذمے ساٹھ لاکھ روپیہ واجب
الادا نکالا تھا جو ظاہر ہے اس دور میں ایک گراں قدر رقم تھی۔ فتح خان نے ادائیگی سے
پس و پیش سے کام لیا۔ تاہم اسے اپنے بیٹے فتح شیر خان سمیت نظر بند کروادیا گیا۔ انگریز
میجر لارنس کے حکم پر اسے نظر بند کیا گیا تھا۔ بڑی سختی کے بعد صرف اکیس ہزار روپیہ
ہی اس نے دیا تھا کہ اسی اثناء میں بغاوت ہوگئی اور میجر لارنس اور ایڈورڈ صاحب نے
بہ امر مجبوری مصلحت کی بناء پر اسے رہا کردیا۔ انگریز دور میں بھی فتح خان کو بنوں اور

میانوالی کا ناظم مقرر کیا گیا تھا۔ بنوں کی سکھ فوج نے جس وقت انگریزوں کے خلاف بغاوت کی تھی اس موقع پر بھی فتح خان ٹوانہ نے محض اپنی جرات اور حکمت عملی سے اسے فرو کیا تھا۔ اس کے فوراً بعد ہی ملتان میں شیر سنگھ نے بغاوت کر دی۔ جس پر بنوں کے سکھ پھر سے باغی ہوگئے اور انہوں نے انگریز کرنل ہافر کو قتل کر دیا۔ اس دوران بنوں کے قلعہ سے چار توپیں ملتان میں شیر سنگھ کی بغاوت کو فرو کرنے کے لئے دی جاری تھیں کہ سکھوں نے ان توپوں پر بھی قبضہ کرلیا اور انہیں چھین کر قلعہ کے اندر موجود فتح خان کا محاصرہ کرلیا۔ اس موقع پر فتح خان کی مدد و اعانت کے لئے مثالی سردار بشمول محمد خان آف عیسیٰ خیل اور مشہور زمانہ بہادر دلاسہ خان (جو سکھوں کے لئے دو دھاری تلوار تھا)، جعفر خان رئیس ٹپ، بازید خان شیرانی، مشیر خان اور محمد اعزاز خان عیسیٰ خیل وغیرہ آپہنچے لیکن کئی مقامی سردار یعنی موسیٰ خان رئیس سکندر خیل، میر عالم خان رئیس مدان وغیرہ فتح خان کے دشمن تھے اور وہ سکھوں سے مل گئے۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ سکھوں نے قلعہ فتح کرکے ملک فتح خان ٹوانہ کو گولی مار کر اس کا کام تمام کردیا۔ اور فتح خان کے حامی مقامی سردار قید کرلئے گئے۔ بہر صورت فتح خان ٹوانہ نے اپنے لواحقین کے لئے بہت بڑی جاگیر اور رقم ورثہ میں چھوڑی تھی۔

تاہم فتح خان کے بیٹے ملک فتح شیر خان ٹوانہ کو بعد میں حکومت انگریز کی جانب سے بے حد پذیرائی ملی اور وہ ایڈورڈز صاحب بہادر کا معتمد خاص رہا۔ کئی لڑائیوں میں بھی اس نے انگریزوں کے ساتھ حصہ لیا اور بے حد مراعات حاصل کیں۔ اسے انگریزوں کی جانب سے خان بہادر کا خطاب بھی ملا۔ ملک فتح شیر خان دسمبر ۱۸۹۴ء میں فوت ہوا۔

نور پور اور مٹھہ ٹوانہ کے روساء کے بعد جہان آباد کے ٹوانوں کا نمبر آتا ہے جن کا سردار ملک جہان خان تھا۔ اس جہان خان کو بھی وفاداری کے صلے میں حکومت انگریز نے خان بہادر کے خطاب سے نوازا تھا۔ یہ انگریزوں کی فوج میں اچھے عہدہ پر فائز رہا۔ اس کا انتقال ۱۸۹۷ء میں ہوا اور اس کا سب سے بڑا بیٹا ملک مبارز خان اس کا جانشین بنایا گیا۔ بہر صورت ٹوانوں کا یہ خاندان بھی انگریز دور میں بے حد ممتاز اور اہمیت کا حامل سمجھا جاتا تھا۔

ہوکا کا علاقہ بھی ہمیشہ ٹوانوں کے پاس رہا ہے اور یہاں ملک ناظر خان کی اولادوں کی عملداری رہی ہے۔ ان کے جد امجد ملک بخشی خان نے مہاراجہ رنجیت سنگھ کی فوج میں بھی خدمات انجام دی تھیں اور اسے موضع ہوکا میں حقوق مالکانہ اور تحصیل شاہ پور میں اراضی دی گئی تھی۔ اس قوم کا ایک سردار ملک فتح خان ۱۸۳۶ء میں ایک معرکے میں قتل ہوگیا تھا۔ ان کے ایک اور سردار ملک سلطان محمود خان نے بھی انگریز حکومت کی خدمات سرانجام دی تھیں اور اس سے کافی مراعات حاصل کی تھیں
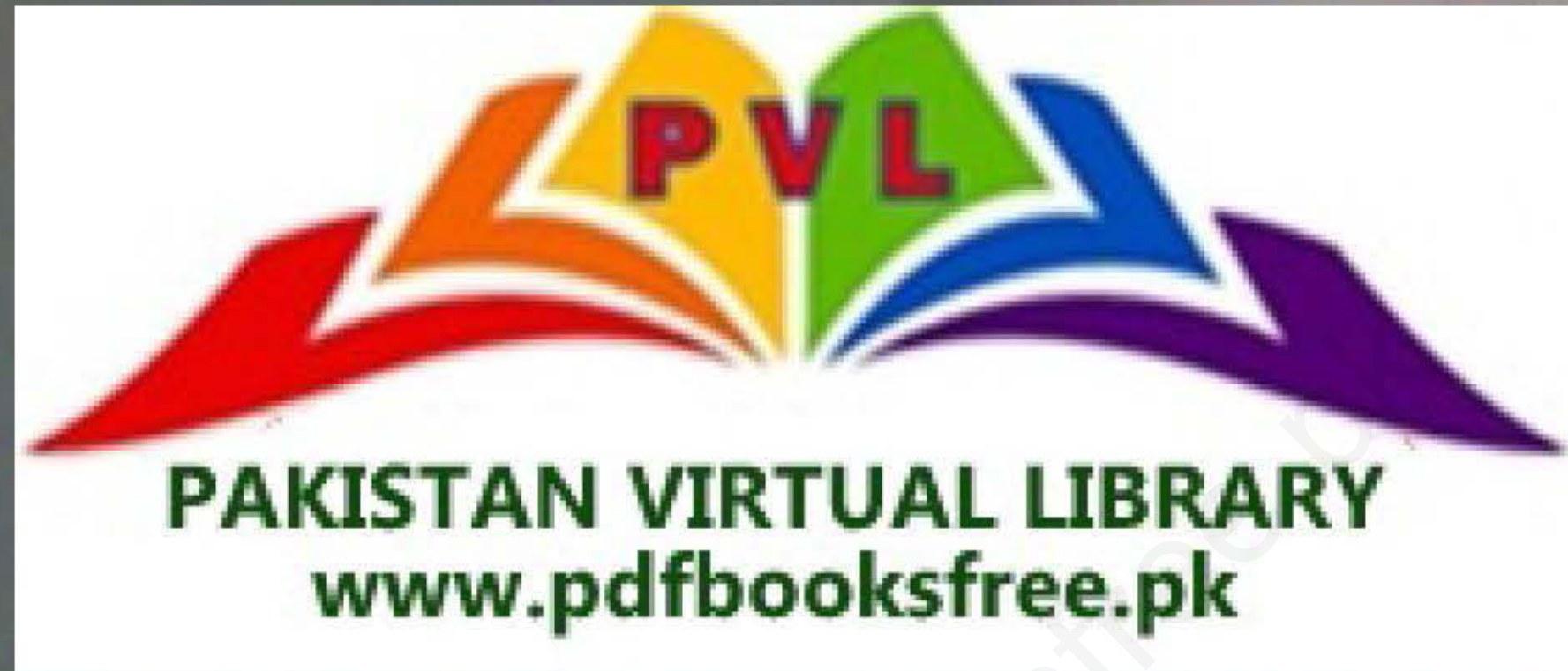
راٹھور راجپوت

سورج بنسی راجپوتوں کے کم و بیش ۳۶ شاہی خاندان مشہور ہیں اور ان کی راٹھور شاخ بھی ۳۶ شاہی خاندانوں میں سے ایک ہے۔ ہندوستان کی تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ اس خطہ میں راٹھور خاندان بے حد اہمیت کا حامل رہا ہے۔ ان کا اصل وطن قنوج تھا۔ غالباً وہیں سے انہوں نے ترقی کی اور قوت و اقتدار کے مالک بنے۔ قیاس غالب ہے کہ راٹھور پنوار راجپوتوں ہی کی ذیلی شاخ ہیں۔ ہندوستان میں بیکانیر اور مارواڑ کے راٹھور بھی خاصے مشہور رہے ہیں۔ زمانہ قدیم میں کئی علاقوں میں اگرچہ ان کی راجدھانیاں رہی ہیں تاہم شہرت کے لحاظ سے ان کے صرف ایک راجہ کا تفصیلاً" تذکرہ تاریخ کی کتابوں میں ملتا ہے جس کا نام راجہ رام دیو تھا۔ چنانچہ اس باب میں ہم صرف راجہ رام دیو ہی کے تذکرہ پر اکتفا کریں گے۔

راجہ رام دیو

راجہ رام دیو ہندوستان کے قدیم راجہ باسدیو کا سپہ سالار تھا۔ راجہ باسدیو کی عملداری میں ہند کا ایک وسیع قطعہ آتا تھا۔ وہ قنوج کے علاوہ بہار کا بھی حکمران تھا۔ یہ راجہ کثیر العیال تھا اور اس کے بتیس بیٹے تھے۔ چنانچہ اس کی وفات کے بعد سلطنت حاصل کرنے کے لئے اس کے بیٹوں میں لڑائی شروع ہوگئی اور ان کے مابین اقتدار کی رسہ کشی کا یہ سلسلہ کم و بیش دس سال تک متواتر چلتا رہا جس سے شاہی خزانہ خالی ہوگیا۔ اور رعایا فاقوں پر مجبور ہوگئی فوج کے تمام عہدیداروں نے باہمی مشاورت کے بعد عنان حکومت راجہ رام دیو کے حوالے کردی جو ظاہر ہے راجہ باسدیو کا سپہ سالار تھا۔ راجہ رام دیو کے متعلق لکھا ہے کہ وہ بے حد بہادر اور مدبر تھا۔ اس نے عنان حکومت سنبھالتے ہی سب سے پہلے تمام فتنہ و فساد کی بیخ کنی کی اور ملک میں امن و امان قائم کردیا۔ اس راجہ نے مارواڑ پر حملہ کیا اور اس علاقہ کو کچھواہہ قوم کے راجپوتوں کے قبضہ قدرت سے نکال کر وہاں راٹھوروں کی حکومت کی داغ بیل ڈالی۔ اس نے کچھواہہ قوم کو مارواڑ سے نکال کر رھتاس کے نواح میں آباد کیا اور کچھواہہ قوم

کے امراء کی لڑکیوں کو اپنے نکاح میں لایا۔ اس دور میں راٹھور خاندان مارواڑ میں آباد ہوا۔ اس راجہ نے سلطنت کو مزید وسعت دینے کے لئے لکھنوتی پر بھی حملہ کیا اور اسے فتح کرکے اپنے ہی بھتیجے کو وہاں کی حکمرانی عطا کی۔ ازاں بعد دو سال امن و سکون سے حکومت کرنے کے بعد اس نے مالوہ پر حملہ کیا اور اسے بھی فتح کرکے وہاں اپنے خاندان کے راٹھوروں کو آباد کیا۔ اس نے بیجا نگر کے راجہ کو بھی نیچا دکھایا تھا۔ اور اس کی بیٹی سے شادی کی تھی۔ اس کے بعد یہ راجہ کوہستان کے علاقوں کی جانب بڑھا اور کماؤں کے راجہ کو شکست دے کر وہاں بھی قبضہ کرلیا۔ اس راجہ نے پنجاب میں بے حد فتوحات کیں اور اپنی سلطنت کو بے حد وسعت دی۔ ہندی کوٹ، نگر کوٹ اور جموں وغیرہ تک کے تمام علاقے فتح کرکے اس نے اپنی راجدھانی میں شامل کرلئے تھے۔

اس راجہ نے تقریباً ۵۴ سال تک بے حد امن و سکون اور تزک و احتشام سے حکومت کی۔ تاہم اس کی وفات کے بعد یہ حکومت اس خاندان کے ہاتھوں سے نکل گئی۔ اس لئے کہ اس کے بیٹوں کے مابین بھی وراثت کی بناء پر جھگڑے شروع ہوگئے تھے اور ان کے اس باہمی نفاق کا فائدہ اٹھاتے ہوئے ایک شخص پرتاپ چند سیسودیہ نے ان سے حکومت چھین لی تھی 106۔

راٹھور

راٹھور کی کافی ساری ذیلی شاخیں بھی ہیں جن کا الگ سے تذکرہ کیا جائے گا تاہم اس قوم کے کئی لوگ صرف راٹھور ہی کہلواتے ہیں۔ اگرچہ ان کی تعداد ہمارے پنجاب میں کچھ زیادہ تو نہیں ہے لیکن اس کے باوجود یہ لوگ پنجاب کے تقریباً تمام اضلاع میں پھیلے ہوئے ہیں۔ راٹھور زیادہ تر لاہور کے ضلع میں آباد ہیں۔ دوسرے نمبر پر یہ لوگ جہلم اور تیسرے نمبر پر ساہیوال میں آباد ہیں۔ ان علاقوں کے علاوہ یہ لوگ سیالکوٹ، گوجرانوالہ، شیخوپورہ، راولپنڈی، گجرات، سرگودھا، شاہ پور، ملتان، جھنگ، مظفر گڑھ اور بہاولپور کے اضلاع میں آباد ملتے ہیں۔ گجرات، راولپنڈی اور ملتان کے اضلاع میں اس قوم کے محض چند خاندان ہی آباد ہیں۔ یہ قوم کشمیر و پونچھ کے اضلاع میں کافی تعداد میں آباد ہے اور ہندوستان میں بھی ان کی خاطر خواہ گڑھیاں آباد ہیں۔

لفظ "راٹھور" کی مختلف شکلیں لکھی ہوئی ملتی ہیں۔ راٹھر، راؤتھر، روتھور اور رائیتسو وغیرہ ان سب الفاظ کی اصل راٹھور ہی ہے۔ لفظ راٹھور کا مطلب پہلوان، شہ زور یا جنگجو ہے۔ تاریخ راجستھان کے مصنف کرنل ٹاڈ نے لفظ راٹھور کی اصل راشٹو بتائی ہے۔

حسب و نسب کے لحاظ سے یہ لوگ سورج بنسی کہلاتے ہیں اور یہ قوم سورج بنسی راجپوتوں کی شاہی قوم کی ایک معروف شاخ ہے۔ شجریاتی لحاظ سے یہ لوگ اپنی نسبت رام چندر جی کے دوسرے بیٹے کش سے ملاتے ہیں۔ راٹھور قوم قدیم زمانوں میں ہندوستان میں قوت و اقتدار کی مالک رہی ہے۔ تاریخ فرشتہ میں بھی قبل از مسیح کے کئی ایسے راجاؤں کا تذکرہ ملتا ہے جن کا تعلق راٹھور قوم سے تھا۔ اس سے راٹھور قوم کی قدامت کا اندازہ ہوتا ہے۔ خصوصاً قنوج پر اس قوم نے کئی صدیوں تک پشت در پشت حکمرانی کا لطف اٹھایا ہے۔ قبل از مسیح کے نامعلوم دور سے لے کر غالباً ۱۱۹۵ء تک یہ قوم قنوج کی بلا شرکت غیرے تاجدار رہی ہے۔ قنوج میں ان کے آخری راجہ کا نام جے چند تھا۔ ایک روایت کے مطابق ۱۱۹۳ء میں شہاب الدین غوری اور اس کے نائب قطب الدین ایبک نے اس قوم کو غارت کیا تھا۔ قنوج میں شہاب الدین غوری کے ہاتھوں شکست و تباہی کے بعد ان کے آخری راجہ جے چند کا ایک پڑپوتا سیاجی یا شیوجی نامی قنوج سے نکل کر سرزمین مارواڑ میں آباد ہوگیا تھا۔ اس شیوجی کی اولادوں نے مارواڑ میں خوب ترقی کی اور جب ان کی افرادی قوت میں خاطر خواہ اضافہ ہوگیا تو انہوں نے راجپوتانہ، جودھپور، بیکانیر، کشن گڑھ، مالوہ، اسلام، سیتامیو، ایدر اور گجرات میں اقتدار قائم کرکے اپنی کئی آزاد و خود مختار ریاستیں قائم کرلیں۔ تیرھویں صدی عیسوی کے وسط میں راجپوتانہ میں اس قوم نے بے حد قوت حاصل کرلی تھی اور آبادی کے لحاظ سے بھی وہاں ان کی تعداد لاکھوں نفوس تک پہنچ گئی تھی۔ راجپوتانہ اور اس کے نواحی علاقے اس قوم نے غالباً وہاں کی قدیم باسی قوم کچھواہہ سے چھینے تھے۔ اس ضمن میں کتب تواریخ میں ایک اہم قول لکھا ہوا ملتا ہے کہ

"ایک راٹھور دس کچھواہوں پر بھاری ہے"

کئی مورخین نے راٹھور قوم کی اصل ستھیا یا سیتھین اقوام سے بتائی ہے۔ ان

مؤرخین کے نزدیک سیتھین قوم جو زمانہ قدیم میں دریائے جیحون کے کنارے وسط ایشیا تک حکمران تھی، جب ہندوستان آئی تو رفتہ رفتہ دریائے اٹک (سندھ) سے دریائے گنگا تک پھیل گئی۔ کچھ عرصہ تک اس قوم کا نام ستھیا یا سیتھین ہی رہا لیکن جب بعد میں ہندوستان میں نسلی اور جغرافیائی لحاظ سے اس قوم کی زیادہ ذیلی شاخیں بن گئیں تو جہاں ان کا تمدن بدل گیا وہاں یہ قوم کئی دیگر ناموں سے بھی موسوم ہوگئی۔ چنانچہ نام راٹھور بھی انہیں میں سے ایک ہے۔

یہ نظریہ بھی درست لگتا ہے ہم اس ضمن میں وضاحت کر آئے ہیں کہ ٹکا ساکا یا سیتھین اقوام کے چار سرداروں کو غسل آتشیں دے کر راجپوت گروپ میں شامل کیا گیا تھا۔ ممکن ہے راٹھور انہیں کے ابناؤ اخلاف ہوں۔

تاریخ راجستھان کے مشہور مورخ کرنل ٹوڈ نے راٹھور قوم کے متعلق ایک جداگانہ نظریہ پیش کیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ راٹھور قوم کا تعلق ایک قدیم قوم راٹشو سے ہے۔ اس قوم کے ایک راجہ نیپال نے ۴۷۰ء میں راٹھور قوم کے راجہ جیپال کو قتل کر کے قنوج پر قبضہ کیا تھا۔ لیکن ہمارے خیال میں راٹھور لفظ کی اصل راٹشو ہرگز نہیں ہے۔ کرنل ٹوڈ کا یہ کہنا کہ قدیم راٹشو قوم کے راجہ نیپال نے راٹھور قوم کے راجہ جے پال کو قتل کیا تھا خود اس امر کی دلیل ہے کہ راٹشو اور راٹھور دو مختلف اقوام تھیں اور یقیناً" راٹھور قوم کو راٹشو کہنا بہت بڑی غلطی ہے۔ بلکہ تاریخ فرشتہ کے اوراق اس بات کے گواہ ہیں کہ راٹھور قوم شروع ہی سے راٹھور کہلاتی آئی ہے۔ اور خصوصاً قنوج پر ان کا اقتدار قبل از تاریخ کے نامعلوم دور سے لے کر ۱۱۹۵ء تک لازوال رہا ہے۔ اور شہاب الدین غوری سے پہلے وہاں کی حکومت اس قوم سے کوئی بھی خاندان نہیں چھین سکا۔ جیسا کہ ہم سطور بالا میں بتا آئے ہیں کہ ۱۱۹۳ء یا ۱۱۹۵ء میں شہاب الدین غوری اور قطب الدین ایبک کے ہاتھوں اس قوم کا اقتدار انجام کو پہنچا اور یہ لوگ اپنے نامور سردار سیاجی یا شیوجی کی ماتحتی میں مارواڑ آکر آباد ہوئے اور وہاں انہوں نے ازسرنو اقتدار حاصل کیا۔ اس شیوجی کی تیرھویں پشت میں سے راؤ جودھا پیدا ہوا جس نے جودھپور کی بنا ڈالی۔ یہ غالباً ۱۴۵۹ء کا ذکر ہے۔ راؤ جودھا کی چوتھی پشت میں سے راؤ مالدیو پیدا ہوا جو مغل شہنشاہ اکبر کے دور میں راٹھور قوم کا معروف

رئیس تھا۔ مسماۃ جودھا بائی جو اکبر اعظم کی بیوی اور جہانگیر کی ماں تھی، اسی راؤ مالدیو کی بیٹی تھی۔ مشہور راٹھور سردار راجہ اودے سنگھ اسی جودھا بائی کا بھائی تھا۔ اس اودے سنگھ نے بعد از وفات سترہ بیٹے اور اتنی ہی بیٹیاں چھوڑی تھیں۔ اودے سنگھ کی وفات کے بعد اس کا تیسرا بیٹا غالباً ۱۵۹۶ء میں باپ کا جانشین بنایا گیا تھا۔ اس کا نام راجہ سورج سنگھ تھا۔ جبکہ اس کا ساتواں بیٹا دلیپ سنگھ ہمیشہ مغل بادشاہوں کے دربار سے وابستہ رہا۔ اس دلیپ سنگھ کے پوتے رتن سنگھ کو مغل شاہوں نے مالوہ میں جاگیر عطا کی تھی اور اس نے اپنے نام سے رتلام کا شہر آباد کیا تھا جو بعد میں ایک الگ ریاست بن گیا۔ رتلام کی ریاست تقسیم ہند سے پہلے تک اسی خاندان کے پاس رہی۔ رائے مالدیو کے ایک اور فرزند کشن سنگھ نامی نے مغل شہنشاہ شاہجہان سے جاگیر لے کر کشن گڑھ ریاست قائم کی تھی یہ ریاست بھی تقسیم ہند تک اسی قوم کے پاس رہی۔ رائے مالدیو کے ایک اور بیٹے کا نام کرنل ٹاڈ نے تاریخ راجستھان میں جسونت سنگھ لکھا ہے۔ اس جسونت سنگھ کے بیٹے کا نام مان سنگھ تھا۔ ہندوستان میں چترمان جودھا خاندان اسی مان سنگھ کے ابناؤ اخلاف پر مشتمل ہے۔ خان پورہ اسی خاندان کے اجداد کا بسایا ہوا ہے۔ مان سنگھ کے ایک بیٹے کا نام سرجن سنگھ تھا اور یہی سب سے پہلے ایک مسلمان درویش کی دعوت پر مسلمان ہوا تھا۔ اس شخص نے اسلام قبول کرنے کے بعد لاہور کی طرف نقل مکانی کی۔ لاہور سے کشمیر پہنچا اور کشمیر سے نقل مکانی کر کے پونچھ کے علاقہ میں آباد ہوا۔ بعد میں اس نے پونچھ کو بھی خیرباد کہہ دیا اور کھوٹہ میں مستقل سکونت اختیار کرلی۔ اس شخص کا اسلامی نام سراج الدین بتایا جاتا ہے۔ اس شخص کی اولاد اب بھی پونچھ اور کھوٹہ میں آباد ہے۔ خصوصاً پونچھ میں یہ لوگ اپنے جدامجد مان سنگھ کی نسبت سے مینا راٹھور کہلاتے ہیں۔ اس نومسلم سراج الدین نے مغل حکمرانوں سے پونچھ کی حکومت بھی حاصل کرلی تھی اور افغان حکمرانوں کے دور تک یہ لوگ پونچھ پر حکمران رہے۔ پونچھ و کھوٹہ میں سراج الدین راٹھور کے خاندان کو چودھری خاندان بھی کہا جاتا ہے اور کئی مورخین نے یہ دعوے بھی کیے ہیں کہ راٹھور نسل کے اعتبار سے گجر ہیں۔ یہ نظریہ قطعی طور پر غلط ہے۔ اس نظریے کی بنیادی وجہ غالباً یہی ہے کہ متذکرہ بالا سراج الدین نے کھوٹہ کے ایک گجر خاندان میں نہ صرف شادی کی تھی بلکہ

جنجوعہ

اپنے گجر سسر نامی حبیب کی جائیداد کا بھی وارث بنا تھا۔ غالباً اسی وجہ سے اس خاندان کو چودھری بھی کہا جاتا ہے جو ظاہر ہے عموماً گجر اقوام اپنے سردار کے لئے لفظ استعمال کرتی ہیں۔

بہرکیف راٹھور قوم کا نو مسلم رئیس چودھری سراج الدین زندگی بھر مغل حکمرانوں کا منظور نظر رہا اور ان سے بے حد مراعات اسے ملتی رہیں۔ کہا جاتا ہے کہ اس کی خدمات کے صلے میں مغل شہزادہ سلیم نے (جو بعد میں جہانگیر کے نام سے مشہور ہوا) سراجدین کو راجہ کا خطاب اور سند عطا کی تھی۔ راجہ سراجدین کی پہلی رانی سے ایک لڑکا فتح محمد پیدا ہوا تھا جس کی نسبت سے سراجدین کو ابو الفتح بھی کہا جاتا ہے۔ سراج الدین کی دوسری بیوی چوہان قبیلے سے تھی جس میں سے اس کے دو فرزند پیدا ہوئے تھے جن کے نام نور احمد خان و خان محمد خان بتائے جاتے ہیں۔ کھوٹہ اور پونچھ کے راٹھور سراجدین کے انہیں فرزندوں کے ابناء و اخلاف ہیں۔ اور اس علاقہ پر ان لوگوں نے لمبا عرصہ حکومت کی ہے۔ راجہ سراجدین راٹھور نے اس علاقہ پر ۱۵۹۴ء سے ۱۶۴۵ء تک حکومت کی اور اس کی وفات کے بعد اس کا بیٹا فتح خان تخت نشین ہوا جس نے ۱۶۴۶ء سے ۱۷۰۰ء تک حکومت کی۔ راجہ فتح خان کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ بے حد درویش خصلت انسان تھا۔ اس نے اپنی زندگی میں ہی اپنے بیٹے راجہ عبد الرزاق کو جانشین بنا کر گوشہ نشینی اختیار کرلی تھی۔ جبکہ اس نے اپنے ایک دوسرے بیٹے راجہ محمد معظم خان کو سدھروں اور کھوٹہ کا علاقہ جاگیر میں دے دیا تھا۔ راجہ عبدالرزاق نے اپنی راجدھانی کو کافی وسعت دی اور کشمیر کا کافی علاقہ اس میں شامل کرلیا تھا۔ راجہ عبدالرزاق کا دور ۱۷۰۱ء تا ۱۷۴۷ء کا تھا جبکہ اس کے بیٹے راجہ رستم خان کا دور حکومت ۱۷۶۰ء تا ۱۷۸۷ء مانا جاتا ہے۔ راجہ رستم خان کی وفات کے بعد اس کا بیٹا راجہ محمد شہباز خان سریر آرائے سلطنت ہوا جس کا دور ۱۷۸۷ء تا ۱۷۹۲ء تھا۔ راجہ محمد شہباز خان کی وفات کے بعد اس کا بھائی راجہ خان بہادر خان والئی تخت بنایا گیا۔ جس کا دور ۱۷۹۲ء تا ۱۷۹۵ء تھا۔ راٹھور خاندان کے ان راجاؤں کے علاوہ دیگر بھائی بندوں نے بھی پونچھ، کشمیر اور کھوٹہ کے کئی علاقوں پر مختلف ادوار میں حکومت کی ہے۔ بیسویں صدی کے دور تک راجہ افراسیاب خان سدھروں و کھوٹہ کا حکمران تھا جو اسی خاندان کا چشم و چراغ تھا 107۔

جنجوعہ

جنجوعہ پنجاب میں راجپوتوں کی ایک نامور قوم ہے۔ یہ لوگ زیادہ تر راولپنڈی کے ضلع میں آباد ہیں جبکہ دوسرے نمبر پر جہلم ان کا مرکز ہے۔ علاوہ ازیں سیالکوٹ' لاہور' گوجرانوالہ' گجرات' شاہ پور' سرگودھا' ملتان' جھنگ اور مظفر گڑھ میں بھی ان کے بے شمار خاندان رہتے ہیں۔ اس قوم کے چند خاندان بہاولپور میں بھی ملتے ہیں ڈیرہ اسمٰعیل خان اور بنوں میں بھی یہ کافی تعداد میں آباد ہیں جبکہ آزاد کشمیر و پونچھ کے علاقوں میں بھی ان کی خاطر خواہ تعداد آباد ہے۔

جنجوعہ قوم کی اصل کے متعلق کئی نظریات مشہور ہیں۔ ایک معروف نظریہ یہ ہے کہ یہ لوگ اس مشہور راجہ مل کی اولاد ہیں جو ایک راٹھور راجپوت تھا اور پانڈوؤں کی اولاد میں سے تھا۔ کئی ماہرین اس قوم کو اگرچہ چندر بنسی راجپوت تسلیم کرتے ہیں لیکن راٹھور نہیں مانتے۔ تاہم حقیقت یہی ہے کہ یہ قوم راٹھور راجپوتوں کی شاخ ہے اور ان کا تعلق اگنی کل راجپوتوں کے خاندان سے ہے جو نسل کے اعتبار سے ساکا یا تکا تھے۔

جنرل کننگ ھام کے نظریہ کے مطابق جنجوعہ قوم پنجاب کی بے حد قدیم قوم ہے۔ جو ۱۵۰۰ برس قبل مسیح میں پنجاب میں داخل ہوئی تھی۔ یہ قوم مشہور آریائی قبیلہ اجامیدا کے ساتھ یہاں وارد ہوئی تھی۔ اس قوم نے اجامیدا قبیلہ کے ساتھ مل کر راولپنڈی سے ملتان تک کے درمیانی رقبے پر اپنی حکومت قائم کرلی تھی اور ان علاقوں پر صدیوں تک حکمران رہی۔ البتہ ہمارے نظریہ کے مطابق جو لوگ قبل از مسیح کے کسی دور میں آریائی قبیلہ اجامیدا کے ہمراہ مذکورہ علاقوں میں وارد ہوئے تھے انہیں جنجوعہ نہیں کہا جاسکتا۔ ہم سمجھتے ہیں کہ وہ لوگ جنجوعہ قوم کے اجداد تھے۔ یاد رہے کہ جنجوعے' پانڈوؤں کے ابناء و اخلاف مانے جاتے ہیں اور پانڈوؤں کا ان علاقوں میں قیام ایک تسلیم شدہ امر ہے۔

راٹھور جنجوعہ قوم کے جد امجد کا نام راجہ مل تھا جو ظاہر ہے پانڈو راٹھور قبیلے

کا چشم و چراغ تھا۔ کہا جاتا ہے کہ یہ راجہ مل ۹۸۰ء میں جودھ پور یا قنوج سے نقل مکانی کرکے اس علاقے میں آیا تھا۔ یہاں آکر اس راجہ کو معلوم ہوا کہ کسی قدیم دور میں اس کے اجداد (پانڈو) جہلم کی شمالی پہاڑیوں میں آباد رہے ہیں۔ چنانچہ راجہ مل نے بھی اپنے اجداد کی طرح انہیں پہاڑیوں کے قریب راج گڑھ آباد کیا تھا۔ راج گڑھ کو اب راجکوٹ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ راجہ مل اپنی اس نئی راجدھانی پر ۹۸۰ء سے لے کر سلطان شہاب الدین غوری کے حملہ تک نہایت امن و سکون سے حکومت کرتا رہا۔ جب سلطان شہاب الدین غوری نے ہند پر دھاوا کیا تو اس نے راجہ مل کو اپنے حضور طلب کیا لیکن راجہ مل نے اس کی اطاعت کرنے سے انکار کردیا۔ اس انکار کا نتیجہ یہ نکلا کہ شہاب الدین غوری نے راجہ مل پر پوری قوت سے حملہ کردیا۔ اور شکست دے کر اسے گرفتار کرلیا۔ راجہ مل نے چاروناچار ہندو مذہب چھوڑ کر اسلام قبول کرلیا۔ کہا جاتا ہے اس سے قبل جنجوعہ قوم تمام کی تمام ہندو تھی اور ہندوؤں کی طرح جنجو یا زنار پہنتے تھے۔ چنانچہ جب ان کے راجہ مل نے مذہب اسلام قبول کرلیا تو اس کی تقلید میں راجہ مل کی تمام قوم بھی مسلمان ہوگئی۔ جب یہ لوگ مسلمان ہوئے تو انہوں نے اپنے اپنے جنجو گردن سے اتار کر ایک طرف رکھدیئے اور جب بے شمار جنجو جن کا وزن کئی من بنتا تھا جمع ہوگئے تو انہیں آگ لگا دی گئی چنانچہ اس دور سے اس قوم کا نام جنجوعہ مشہور ہوگیا۔ کئی ماہرین اس روایت کو درست تسلیم نہیں کرتے کہ جنجو جلانے کی وجہ سے یہ قوم جنجوعہ کہلائی۔ ان کا کہنا ہے کہ جنجو جسے یہ قوم ترک کررہی تھی اس کے نام کا حصہ کیونکر بن سکتا ہے؟ یہ نام تو اس قوم کا پڑ سکتا تھا جس نے جنجو یا زنار پہننا شروع کیا ہو۔ جنجو کا استعمال ترک کرکے یا جنجو توڑنے پر تو اس قوم کا نام جنجو توڑ مشہور ہونا چاہئے تھا؟

ایک روایت یہ بھی ہے کہ راجہ مل کے ایک بیٹے کا نام جوہد تھا۔ یہی جوہد کثرت استعمال سے جنجوعہ بن گیا۔ گویا جوہد کی اولادیں جنجوعہ کہلائیں۔ ایک انگریز مصنف مسٹر برانڈرتھ کا بھی یہ خیال ہے کہ

"راجہ مل کے بیٹے جوہد اور جوہد کے بھائی ویر کی اولادیں جنجوعہ کہلائیں۔"

ہمارے خیال میں بلاشبہ راجہ مل کے بیٹے جوہد اور ویر کی اولادیں اسلام قبول کرلینے اور جنجو اتار کر جلا دینے والے واقعہ کی نسبت سے ہی جنجوعہ مشہور ہوئیں۔

روایت ہے کہ جب راجہ مل نے سلطان شہاب الدین غوری کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا اس وقت اس کے پانچ بیٹے تھے جن کے نام جوہد، ویر، کلا، ترلونی، اور کھکھا تھے۔ یہ پانچوں بھائی الگ الگ اقوام کے اجداد بنے اور ان میں سے الگ الگ قبیلے وجود پذیر ہوئے جن کی تفصیل حسب ذیل ہے:۔

(۱) راجہ ویر خان پسر راجہ مل

راجہ ویر خان اپنے باپ کے بعد کھیوڑہ اور پنڈ دادن خان کا حکمران بنا۔ اس کے بیٹے راجہ احمد خان کی اولاد ملوٹ، بادشاہ پور اور ڈلوال کے خاندان ہیں۔

(۲) راجہ جوہد پسر راجہ مل

راجہ مل کا بیٹا راجہ جوہد اس علاقہ کا وارث بنا جہاں قدیم کٹلا آباد تھا اور وہاں زیادہ تر برہمن رہتے تھے۔ راجہ جوہد نے اس علاقے کا نام کھیالہ رکھا اور ایک قلعہ اور دو بارانی تالاب تعمیر کروائے۔ یہ قوم کئی صدیوں تک انہیں دو بارانی تالابوں کے پانی کو استعمال کرتی رہی۔ کیونکہ ان تالابوں کے علاوہ ان کے پاس پانی حاصل کرنے کا کوئی اور ذریعہ نہیں تھا۔ راجہ جوہد کے چار بیٹے مشہور گذرے ہیں جن کے نام رھپال، سنپال، جسپال، اور جے پال، تھے ان چار بھائیوں میں سے اس قوم کے مزید چار ذیلی خاندان وجود پذیر ہوئے جن کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

(۱) رھپال

رھپال کی نسل سے باغانوالہ، کوٹ عمر، پنڈی کھوکھر، ورگاہ، چاکری، پرچک، نتھیال، فرید پور، شیر پور،

سید پور، اور نیننل کے خاندان وجود پذیر ہوئے۔

رہپال ملوٹ میں حکومت کرتا تھا۔ اس کے بیٹے نارو نے نارا تعمیر کرایا تھا اور نارو کے پوتوں ہست خان اور تاتار خان نے گرجاکھ کو آباد کیا تھا۔ یہ مغل بادشاہ بابر کے دور میں تھے جن کا ذکر بابر نے تزک بابری میں کیا ہے۔

ب سنسپال

سنسپال کی نسل سے چوہا سیدن شاہ، دسمہ چوہڑ، کوٹلی سیدن، کٹورا، سلوری، کلس و چھپی، مخدوم جانی، وٹلی، لدھڑ، دہالی، دھڑیالہ اور کھوالہ کے خاندان بنے۔

(ج) جسپال

جسپال کی اولاد تھوڑی تھی اور صرف کلوال میں سکونت پذیر ہے۔

(د) جے پال

جیپال کی اولاد ڈنڈوت اور ورنڈ کے نمبردار خاندان ہیں۔

(۳) راجہ کالا پسر راجہ مل

راجہ کالا کی اولادیں ضلع راولپنڈی میں سکونت رکھتی ہیں۔

(۴) راجہ ترلونی پسر راجہ مل

راجہ ترلونی کی اولادیں ہزارہ، اٹک اور راولپنڈی کے اضلاع میں مختلف جگہوں پر آباد ہیں۔

(۵) راجہ کھکھا پسر راجہ مل

راجہ کھکھا کی اولادیں آزاد کشمیر، ضلع مظفر آباد اور پونچھ کی تحصیل باغ میں سکونت رکھتی ہیں۔

جنجوعہ قوم کی مزید بے شمار ذیلی شاخیں ہیں تاہم یہ قوم عددی اعتبار سے جس قدر بڑھتی گئی اسی قدر منتشر بھی ہوتی گئی۔ اگر یہ عظیم قوم باہم متحد رہتی تو اس علاقے کی کوئی بھی دوسری قوم ان پر کبھی غالب نہ آسکتی تھی۔ لیکن جوں جوں اس قوم کی افرادی قوت بڑھتی گئی توں توں یہ بے شمار گروہوں میں تقسیم ہوتی گئی اور اپنی قوت کھوتی گئی۔ ہندوستان میں مغل قوم کے پہلے حملہ آور تیمور نے جب ۱۳۹۸ء میں ہندوستان پر حملہ کیا تو جنجوعہ قوم نے مسلمان ہونے کے ناطے اس حملہ آور کا بھرپور ساتھ دیا تھا۔ ازاں بعد جب بابر نے ۱۵۲۶ء میں اس علاقہ پر حملہ کیا تو اس وقت بھی جنجوعہ قوم نے اس کا مکمل ساتھ دیا۔ شہنشاہ بابر نے اپنی تزک میں بھی جنجوعہ سرداروں کا تذکرہ کیا ہے۔ اس علاقہ میں مغلوں کے سب سے بڑے دشمن گکھڑ تھے اور جنجوعوں نے گکھڑوں کے مقابلے میں ہمیشہ مغلوں کا ساتھ دیا تھا۔ چنانچہ ۱۷۶۵ء کے لگ بھگ جب اس علاقے میں مغل حکومت کمزور ہوگئی تو اس علاقے کے گکھڑوں نے اعوانوں کے ساتھ مل کر اس قوم پر حملہ کردیا اور پے درپے لڑائیوں کے بعد انہیں کمزور کرکے اپنے علاقوں سے بے دخل کردیا۔ اس کے بعد جب سکھوں کا عروج شروع ہوا تو انہوں نے بھی اس قوم کی تباہی میں کوئی کسر نہ چھوڑی اور ان کے علاقے مکمل طور پر تاراج کرکے رکھدیئے۔

موضع گرجاکھ کے متعلق ہم سطور بالا میں بتا کر آئے ہیں کہ جنجوعہ قوم نے آباد کیا تھا۔ یہ قصبہ جلال پور کے قریب ماضی میں نہ صرف ایک زرخیز علاقہ تھا بلکہ یہاں جنجوعہ قوم کا ایک قلعہ بھی تھا۔ اس علاقہ پر ملک ہست خان اور ملک تاتار خان کی اولادیں حکمران رہی ہیں۔ ملک ہست خان اور ملک تاتار خان کا ذکر شہنشاہ بابر نے اپنی تزک میں بطور خاص کیا ہے۔ بابر کے بعد ہندوستان میں جب تک اسکی اولادیں حکمران رہیں اس علاقے کے جنجوعوں کو عروج حاصل رہا۔ مغلوں نے اس قوم کے

سرداروں کو دیوان کا خطاب دے رکھا تھا۔ مغل سلطنت کے زوال کے بعد سکھ سردار چڑت سنگھ سوکر چکیہ نے جنجوعوں کے گڑھ موضع گرجاکھ پر بے خبری کے عالم میں اچانک حملہ کیا اور اس علاقے کو مکمل طور پر تباہ و برباد کردیا۔ جنجوعوں کے اس وقت کے سردار حاکم دیوان خدا بخش خان کو اس افراتفری کے عالم میں بھاگ کر پنڈ ساویکا میں پناہ لینا پڑی تھی جبکہ اس کی اراضیات پر دوسرے لوگ قابض و متصرف ہوگئے تھے۔ سکھوں کے بعد جب یہ علاقے انگریزوں کی عملداری میں آئے اس وقت خدا بخش کے پوتے دیوان خان بہادر خان نے اپنی مقبوضہ اراضیات کی بازیافت کا دعویٰ کیا۔ اس دور میں خدا بخش کی اولادیں جلال پور اور پنڈی سید پور میں آباد ہوگئی تھیں۔ ۱۸۹۵ء میں دیوان خان بہادر خان کے بیٹے دیوان قاسم علی خان کو گورنمنٹ برطانیہ نے قومی خدمات کے صلہ میں سرگودھا میں تین مربع اراضی عطا کی تھی۔ دیوان قاسم علی خان کے دو بیٹے دیوان خدا بخش خان اور دیوان صاحب خان تھے جو انگریز حکومت کے ہمیشہ بہی خواہ رہے اور انگریزوں سے انہوں نے گوناں گوں مراعات بھی حاصل کی تھیں۔
اب ہم ذیل کی سطور میں جنجوعہ قوم کی مختلف اہم شاخوں کا الگ الگ تذکرہ کریں گے۔

(۱) جنجوعہ قوم کی شاخ کھیالہ

کھیالہ خاندان کے متعلق روایت ہے کہ انہوں نے شہنشاہ بابر کی حملہ ہند کے وقت ۱۵۰۰ جوانوں کے ساتھ مدد و اعانت کی تھی اور ان کی خدمات کے صلہ میں شہنشاہ بابر نے انہیں سلطان کا خطاب دیا تھا۔ چنانچہ جب بھی اس کھیالہ شاخ کا ماضی میں کوئی سردار چنا جاتا تھا تو اسے سلطان کہا جاتا تھا۔ اسے سلطان بناتے وقت یہ رسم ادا کی جاتی تھی کہ اسے ایک اونچے چبوترے پر بٹھا دیا جاتا تھا اور اس کے سر پر تاج پہنایا جاتا تھا۔ جس کے بعد اس کے بھائی بند اور دیگر مقامی امرا و زمیندار اسے سلامی پیش کرتے تھے۔ جنجوعوں کا یہ خاندان ماضی میں بے حد طاقتور اور اثر و رسوخ والا رہا ہے۔ اگرچہ مہاراجہ رنجیت سنگھ نے اس قوم کے مرکز کھیالہ پر حملہ کرکے اس پر قبضہ کرلیا تھا تاہم اس کے باوجود اس خاندان نے سلوئی و پنج گرائیں وغیرہ کے علاقوں میں اپنی حیثیت کو

برقرار رکھا اور سکھوں کی مار دھاڑ ختم ہونے کے بعد کھیالہ کا علاقہ بھی انہوں نے دوبارہ حاصل کرلیا تھا۔ انگریزوں کی طرف سے بھی اس خاندان کے اس دور کے مشہور سردار سلطان علی بہادر خان کو جاگیریں و معافیاں ملی تھیں۔ علاقہ فیصل آباد میں بھی انہیں پانچ مربع جات اراضی عطا ہوئی تھی سلطان بہادر علی خان کا انتقال ۱۹۰۱ء میں ہوا تھا اور اس کا جانشین سلطان فیروز علی خان کو بنایا گیا تھا جو اس کا بیٹا تھا۔ تاہم سلطان فیروز علی خان عین شباب میں ہی فوت ہوگیا تھا۔ اس کے بعد فیروز علی خان کے بیٹے سلطان حیدر علی خان کو کھیالہ جنجوعوں کا سردار چنا گیا تھا۔ اس خاندان کے متعلق ایک انگریز مصنف مسٹر برانڈرتھ نے لکھا تھا۔

> "یہ خاندان پنجاب میں سب سے پرانا خاندان ہے انگریزوں کے دور میں یہ خاندان نمایاں اور ممتاز رہا اور اسے کئی مراعات بھی حکومت کی جانب سے حاصل ہوئیں۔"

(۲) جنجوعہ قوم کی شاخ سلوئی

جنجوعوں کی یہ شاخ کسی دور میں کھیالہ شاخ سے الگ ہوکر سلوئی کے مقام پر آباد ہوئی۔ اس شاخ کا سب سے پہلا شخص جس نے اقتدار حاصل کیا راجہ مہدی خان نامی تھا۔ اس مہدی خان نے پہلے پہل سکھوں کی خدمت کی تھی اور بعد ازاں سکھوں سے الگ ہوکر انگریزی فوج میں جمعدار بھرتی ہوا تھا۔ انگریزوں کے ساتھ اس نے افغانستان کی جنگ میں بھی حصہ لیا تھا۔ اور اس کے صلہ میں اسے نہ صرف انگریز حکومت کی جانب سے تمغہ ملا تھا بلکہ فیصل آباد میں چھ مربع جات اراضی بھی ملی تھی۔ راجہ مہدی خان کے بعد اس کا بیٹا جلال خان بھی انگریز فوج میں رسالدار میجر رہا اور تمغہ جات حاصل کئے۔ اسے حکومت انگریز نے "بہادر" کا خطاب دیا تھا اور تحصیل پنڈ دادن خان میں سات سو ایکڑ اراضی بھی دی تھی۔ یہاں اس قوم نے چک مہدی خان آباد کیا تھا۔ راجہ مہدی خان کا بیٹا شمشیر مہدی خان اور اس کا چھوٹا بیٹا شیر بہادر خان اپنے دور کے نامور سردار تھے۔ یہ بھی انگریز فوج میں ملازم رہے۔ راجہ شمشیر مہدی خان کے دو بیٹے غلام مرتضیٰ خان اور شیر بہادر خان بھی انگریزوں کی فوج میں ملازم

رہے تاہم ان دونوں نے بعد میں فوجی ملازمت سے کنارہ کشی اختیار کرلی تھی۔ ان میں سے غلام مرتضیٰ خان نے بعد میں حکمت کی ڈگری حاصل کرلی تھی اور اپنے دور کا بے حد مقبول حکیم اور سردار رہا ہے۔

اس شاخ کے سردار راجہ پیر بخش کے ایک اور لڑکے راجہ نادر علی خان نے ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں انگریزوں کا بھرپور ساتھ دیا تھا۔ اسے بھی "بہادر" کا خطاب ملا تھا۔ ۱۸۸۷ء میں برطانیہ کی ملکہ وکٹوریہ کی جوبلی کی تقریب میں بھی راجہ نادر علی خان کو برطانیہ کی حکومت نے انگلینڈ مدعو کیا تھا اور اسے سردار بہادر کا خطاب عطا کیا گیا تھا۔ راجہ نادر علی خان کے بعد اس کا بیٹا راجہ گل نواز خان اس قوم کا سردار بنا یہ بھی انگریز حکومت کا مکمل طور پر وفادار رہا اور شہنشاہ ایڈورڈ ہفتم کی رسم تاجپوشی پر اسے انگلستان مدعو کیا گیا تھا۔ شہنشاہ جارج پنجم کی سیاحت ہند کے دوران یہ شخص اس کے نگران عملہ کا آرڈرلی آفیسر بھی مقرر ہوا تھا۔ اس راجہ گل نواز خان نے انگریز دور میں بے حد اہم خدمات سرانجام دی تھیں حتیٰ کہ اس دور میں پنجاب کے گورنر کا اے ڈی کانگ بھی مقرر ہوا تھا۔ راجہ گل نواز کے بیٹے فرامرز خان اور نوشیروان خان بھی انگریزی فوج میں ملازم تھے۔ گویا سپاہ گری اس خاندان کا آبائی پیشہ رہا ہے اور آج بھی پاک فوج میں اس قوم کے بے شمار جوان خدمات انجام دے رہے ہیں۔

(۳) جنجوعہ قوم کی شاخ وٹلی

اس قوم کا دعویٰ ہے کہ وہ جنجوعہ قوم کے جد امجد راجہ مل کے دوسرے بیٹے کی اولاد ہیں۔ اسے کسک بھی کہتے ہیں۔ شاخ کسک کچھ عرصہ تک تو کھیالہ کے سلطانوں کے زیر اثر رہی لیکن بعد میں ان سے الگ ہوگئی۔ سکھوں کے دور میں جنجوعہ قوم کی یہ شاخ کسک کے نام سے ایک پہاڑی چٹان پر قابض تھی اور اس کے کنٹرول میں کھیوڑہ کے علاقہ کی نمک کی کچھ کانیں بھی تھیں۔۔ اس وقت ان کا سردار فتح خان تھا۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ نے اپنی فوج کے ساتھ ان پر چڑھائی کی اور محاصرہ کے بعد انہیں ان کے علاقہ سے نکال دیا بعد میں مہاراجہ رنجیت سنگھ نے اس قوم کے سرداروں کو ڈھوڈی، واڑہ اور سادھووال کا مالیہ بطور گزارہ کے دے دیا تھا علاوہ ازیں

چار ہزار روپیہ سالانہ بطور جاگیر اور ۵۰ من سالانہ نمک بھی دینا منظور کرلیا تھا۔ تاہم سکھا شاہی عہد میں یہ خاندان کم و بیش ۴۵ سال تک ہرنور کے علاقہ میں جلا وطن رہا اور یہ لوگ کسک میں اس وقت واپس آئے جب انگریزوں کے ہاتھوں سکھوں کو شکست ہوئی یہ خاندان بھی حکومت برطانیہ کے دور میں زیادہ تر فوج میں خدمات سرانجام دیتا رہا ہے۔ اس خاندان کو شہنشاہ تیمور نے بھی ایک اعزازی سند دی تھی جس پر آج بھی جنجوعہ قوم کی یہ شاخ کسک فخر کرتی ہے۔

(۴) جنجوعہ قوم کی شاخ دلوال

جنجوعہ قوم کی شاخ دلوال کا صدر مقام دلوال ہی رہا ہے۔ اس قوم کے مفصل حالات کتب تواریخ میں نہیں ملتے۔ البتہ اس قدر معلوم ہوا ہے کہ سکھا شاہی عہد میں اس شاخ کے سردار راجہ شیر خان کو مہاراجہ رنجیت سنگھ نے ۱۵۰۰ روپیہ کی جاگیر اس علاقہ میں دی تھی انگریزوں کے دور میں چودھری اللہ داد خان اس شاخ کا سردار تھا۔ ۱۹۰۶ء میں انکا ایک شخص خانصاحب چودھری فیض اللہ خان حکومت انگریز کا ڈویژنل درباری تھا' اور اسے ۸ مربع اراضی بھی دی گئی تھی۔ فیض اللہ خان کا انتقال ۱۹۳۲ء میں ہوا تھا' جس کے بعد اس کا بڑا بیٹا صوبیدار محمد افضل خان اس شاخ کا سردار رہا ہے۔ جنگ عظیم کے دوران اس قوم نے بھی فوج میں خدمات سرانجام دی تھیں اور اب بھی یہ قوم زیادہ تر پیشہ سپہ گری سے منسلک ہے جنجوعوں کی یہ شاخ اپنا اعزازی خطاب چودھری رکھتی ہے۔ انگریز دور میں یہ بے حد اثر و رسوخ کی مالک قوم رہی ہے حکومت انگریز سے اسے بے شمار سندیں و اعزازات حاصل ہوئے تھے [108]۔

کھروال

کھروال قوم ضلع راولپنڈی کی مشہور تحصیل کہوٹہ میں کثرت سے آباد ہے۔ یہ قوم بھی راجہ مل کی اولادوں میں سے ہے اور یوں جنجوعہ قوم ہی کی ایک ذیلی شاخ قرار پائی ہے زیادہ تر پہاڑی علاقوں میں آباد ہے اور اپنے علاقے میں بے حد اثر و رسوخ رکھتی ہے۔ اس قوم کی باقی ماندہ تاریخ کم و بیش وہی ہے جو جنجوعہ قوم کی ہے [109]۔

بره

بره جنجوعہ راجپوتوں کی ایک ذیلی شاخ ہے جو ظاہر ہے راٹھور ہیں۔ جنجوعہ قوم کے ایک بزرگ کے پانچ بیٹے بڑے مشہور گزرے ہیں جن کے نام حسب ذیل تھے:۔

(۱) برہ (۲) بانٹھ (۳) گیلہ (۴) بسوبہ (۵) بٹہ

یہ پانچوں بھائی راجپوتوں کی الگ الگ گوتوں کے بانی ہوئے ہیں۔ یعنی ہر بھائی کے نام پر ایک گوت معرض وجود میں آئی۔ برہ قوم کے اجداد ماضی میں یہ دعویٰ کرتے رہے ہیں کہ ان کا اصل وطن گڑھ کھیانہ تھا اور وہیں سے یہ لوگ نقل مکانی کرکے موجودہ پنجاب میں آئے تھے۔ یہ غالباً سلطان شہاب الدین غوری کے عہد کا ذکر ہے 110۔

بھکرال

بھکرال قوم زیادہ تر ضلع راولپنڈی میں آباد ہے اس کے کئی خاندان جہلم و گجرات کے اضلاع میں بھی آباد ہیں۔ اس قوم کے متعلق بھی روایت ہے کہ راٹھور راجپوتوں کی ایک شاخ ہے۔ قیاس بھی یہی کہتا ہے کہ ان کا تعلق راٹھوروں سے ہے اور ان کی تاریخ بھی تقریباً وہی ہے جو راٹھوروں کے ضمن میں بیان ہوچکی ہے 111۔

ڈھڈی

ڈھڈی قوم زیادہ تر ملتان، جھنگ اور ساہیوال کے اضلاع میں آباد ہے تاہم اس قوم کے بے شمار خاندان لاہور، شیخوپورہ، گوجرانوالہ، راولپنڈی، جہلم، گجرات، شاہ پور، سرگودھا، مظفر گڑھ اور دیپالپور میں بھی آباد ہیں۔ گویا پنجاب کا شاید ہی کوئی ایسا ضلع ہو جہاں یہ قوم آباد نہ ہو۔ سیالکوٹ کے ضلع میں بھی ان کے کچھ خاندان ملتے ہیں۔ علاوہ ازیں ڈیرہ غازی خان، ڈیرہ اسمٰعیل خان اور بنوں میں بھی اس قوم کے بے شمار خاندان آباد ہیں تاہم اس قوم کا اصل مرکز زمانہ قدیم سے ہی ستلج اور چناب کی وادیاں رہی ہیں۔

ڈھڈی قوم نسلی لحاظ سے راجپوتوں کی ذیلی گوت راٹھور کا ہی حصہ ہے۔ سب

سے پہلے یہ لوگ جب پنجاب میں داخل ہوئے تھے تو ملتان کی تحصیل میلسی کو انہوں نے اپنا وطن بنایا تھا۔ یہ چودھویں صدی عیسوی کے وسط کی بات ہے غالباً یہ لوگ بھی دہلی سے مسلم حملہ آوروں کے ہاتھوں راجپوتوں کی شکست کے بعد وہاں سے نقل مکانی کرکے اس خطہ میں آئے تھے۔

اس قوم میں ایک بہت بڑے عالم دین، عابد و زاہد حاجی شیر محمد بھی گزرے ہیں جن کا مقبرہ ملتان کے علاقہ میں اب بھی بے حد مشہور ہے۔ تاہم یہ لوگ کس دور میں مسلمان ہوئے؟ اس بارے میں کوئی تفصیل نہیں ملتی۔ قیاس غالب ہے کہ یہ لوگ حضرت مخدوم جہانیاں شاہؒ کے ہاتھ پر اسلام لائے ہوں گے۔

اس قوم کے متعلق ایک روایت یہ بھی مشہور ہے کہ یہ راجہ بکرماجیت کی اولاد ہیں۔ اور ان کے ایک بزرگ و مورث اعلیٰ دیوان چاولی نے اسلام قبول کیا تھا۔ یہ بزرگ راجہ بکرماجیت کی تیرھویں، راجہ کرن کی دسویں اور راجہ ڈھڈی نامی کی آٹھویں پشت میں سے تھا۔ تاہم اپنے جد امجد راجہ ڈھڈی کے نام سے یہ قوم مشہور ہوئی۔ اس قوم کا ایک بڑا خاندان ماڑی سہوار تحصیل کبیر والہ میں آباد ہے۔ ان لوگوں کا کہنا ہے کہ ان کے جد امجد غلام قادر خان نے شاہان مغلیہ کے دور میں ملتان کے نواح میں سکونت اختیار کی تھی۔ بعد نواب مظفر خان کے عہد میں انہوں نے ایک جنگل کو آباد کرکے وہاں سکونت اختیار کی تھی۔ شاہان مغلیہ کے بعد یہ لوگ سکھوں کو بھی مالیہ ادا کرتے رہے۔ اس وقت ان کے سردار ملک خیر الدین و خان محمد تھے۔ جنہوں نے پیر محل موضع شاہ پور اور سید بخاری ضلع ملتان میں بھی بہت سی زمین آباد کی تھی۔ انگریزی عہد میں بھی ان کا بڑا نام رہا ہے 112۔

دوسرا

جودھرا

جودھرا قوم بھی جنجوعہ قوم کی بھائی بند ہے اور جنجوعہ قوم کے جد امجد راجہ مل کے بیٹے جودھ کی اولاد ہے تاہم کتب تواریخ میں ان کا تذکرہ الگ سے کیا گیا ہے۔ یہ قوم پنڈی گھیب میں آباد ہے اور زیادہ تر گھیب قوم میں گھل مل گئی ہے۔ تاہم گھیب قوم کے ساتھ زمانہ قدیم میں اس قوم کی بے شمار لڑائیاں ہوئی ہیں۔ یہ قوم تحصیل پنڈی گھیب میں دریائے سندھ کے کنارے مرزا پور گاؤں سے لے کر اٹک کے اندر بارہ میل تک آباد ہے۔ اس قوم کا نام ہمارے خیال میں جودھرے اس وجہ سے مشہور ہوا کہ راجہ مل کے ساتھ اس کا بیٹا جودھ جودھ پور سے نقل مکانی کرکے یہاں آباد ہوا تھا۔ گویا جودھ پور کی نسبت سے جودھ کی اولادیں جودھرے کہلائیں۔ جودھ اپنے والد بزرگوار کے ساتھ ہی سلطان شہاب الدین غوری کے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہوا تھا۔ یہ گیارھویں صدی عیسوی کا واقعہ ہے۔ یہ قوم ابتداً جموں میں آباد رہی ہے اس قوم کے جس سردار نے سب سے پہلے جموں سے نقل مکانی کرکے پنجاب کو اپنا مسکن بنایا تھا وہ بعوس خان نامی تھا۔ سب سے پہلے بعوس خان پنڈی گھیب کے قریب ڈیرا لکی کے مقام پر آباد ہوا تھا۔ اس بعوس خان کا ایک پوتا شہباز خان نامی اپنے اس علاقہ میں ایک روز شکار کھیل رہا تھا کہ اچانک اس کی ملاقات ایک صوفی بزرگ نامی بھور سلطان سے ہوگئی۔ اس بزرگ نے شہباز خان سے کہا کہ تیری قسمت تب تک پلٹا نہیں کھائے گی جب تک تو نالہ سل کے داھنے کنارے پر آباد نہ ہو چنانچہ شہباز خان نے اس صوفی بزرگ کے حسب ارشاد نالہ سل کے کنارے پنڈی گھیب کو آباد کیا اور بعد میں جب اسکی اولادیں بڑھ گئیں تو انہوں نے پنڈی گھیب کے نواح میں کئی اور مواضعات و قصبے بھی آباد کرلیے۔ جودھرا قوم کے جس ملک یا سردار کو سب سے پہلے اقتدار حاصل ہوا وہ اس قوم کا ماضی کا مشہور سردار ملک اولیا خان تھا۔ اس اولیا خان نے اٹھارھویں صدی عیسوی کے ابتداء میں تلا' سوہان' سل اور تلہ گنگ کے علاقوں کو فتح کرلیا تھا اور تمام زندگی ان پر قابض رہا۔

اولیا خان کے بعد اس کا بیٹا امانت خان باپ کا جانشین بنایا گیا۔ یہ شخص بھی باپ کی طرح بے حد زور آور تھا اس نے سکھاشاہی عہد پایا تھا اور ریمسان سوکر پکہ کو
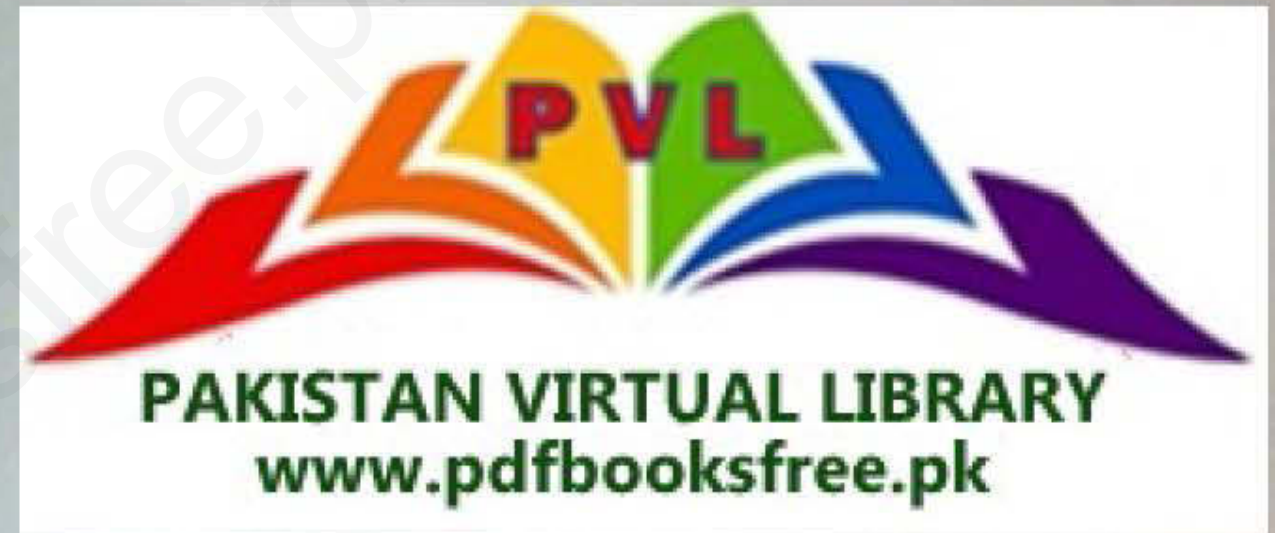
برائے نام خراج ادا کرتا تھا۔ اس کے پاس اپنی ایک زبردست فوج بھی تھی۔ اس نے اپنے باپ کی جاگیر کو کلی طور پر سنبھالے رکھا۔ امانت خان کی وفات کے بعد اس کا بیٹا نواب خان اس کا جانشین منتخب کیا گیا تاہم یہ ان علاقوں پر قبضہ و کنٹرول قائم نہ رکھ سکا اور یہ علاقے رنجیت سنگھ کے قبضہ قدرت میں چلے گئے۔ ۱۸۱۳ء میں یہ سکھوں سے باغی ہوگیا۔ سکھ فوج نے اس پر زبردست حملہ کیا اور یہ ان کے حملہ کی تاب نہ لاکر کوہاٹ کی طرف فرار ہونے میں کامیاب ہوگیا۔ باقی ماندہ زندگی اس نے کوہاٹ میں جلاوطنی کی حالت میں بسر کی اور وہیں فوت ہوا۔

نواب خان کی جگہ پر اس کا بھائی غلام محمد خان جانشین ہوا۔ یہ وہی غلام محمد ہے جس نے سکھوں کی حمایت میں چار وناچار سید احمد رحمۃ اللہ علیہ شہید رائے بریلی سے جنگ کی تھی۔ تاہم سید احمد رحمۃ اللہ علیہ سے جنگ کرنے کے بعد یہ شخص زیادہ دیر تک زندہ نہ رہ سکا پھر تھوڑے ہی عرصہ بعد اسے گھیبہ قوم کے ایک شخص رائے محمد خان نے امرتسر میں قتل کردیا۔ غلام محمد کے قتل کے بعد ایک شخص اللہ یار خان کو اس کا جانشین مقرر کیا گیا تھا۔ اسی اللہ یار خان نے انگریز دور میں بھی سرکاری خدمات سرانجام دی تھیں جس کے صلے میں اس کی اولادوں کو جاگیریں و مراعات بھی دی گئی تھیں جودھرا قوم ذیلی شاخوں میں منقسم ہے جن کا الگ الگ تذکرہ کیا جاتا ہے۔

(۱) خاندان اولیاء خان

اس خاندان کا مرکز پنڈی گھیب رہا ہے اور یہ خاندان مشہور جودھرا سردار اولیاء خان کے ابناؤ اخلاف پر مشتمل ہے۔ اس خاندان میں نواب غلام محمد خان، ملک جنگ بہادر خان اور ملک محمد زمرد خان ماضی کے نامور سردار گزرے ہیں۔

(۲) فتح خان جودھرا کی اولادیں

جودھروں کی دوسری بڑی شاخ جو پنڈی گھیب کے علاقہ میں ہی مقیم ہے فتح خان جودھرا کی اولادوں پر مشتمل ہے۔ انگریز دور میں

اس شاخ کے خان صاحب کیپٹن محمد اکبر خان اور خان بہادر محمد امیر خان نامور سردار گزرے ہیں۔

(۳) جودھروں کی کھنڈا شاخ

جودھروں کی یہ شاخ بھی بے حد مشہور رہی ہے تحصیل پنڈی گھیب کے شمال مشرق میں اس قوم کے بے شمار گاؤں ہیں۔ اعتبار خان اور اس کا چچا عبداللہ خان بیسویں صدی کے ابتدا میں اس قوم کے نامور سردار گزرے ہیں۔ اعتبار خان کا ایک بیٹا ملک خاکی خان بھی بے حد معروف سردار گزرا ہے۔ یہ لوگ زمانہ قدیم میں اپنے علاقہ میں بے حد اثر و رسوخ رکھتے تھے۔ اس قوم کا ایک اور سردار جہانداد خان بھی انگریز دور میں کافی مشہور گزرا ہے۔ تاہم اس جہانداد خان اور ملک خاکی خان کے درمیان دشمنی بہت مشہور رہی ہے۔

(۴) جودھروں کا ڈنڈی خاندان

ڈنڈی بھی جودھروں کی ایک شاخ ہے اور یہ بے حد مشہور رہی ہے۔ یہ گاؤں پنڈی گھیب کے بالمقابل سل ندی کے کنارے پر ہے۔ اس خاندان کی پنڈی گھیب کے جودھروں سے قریبی رشتہ داریاں بھی ہیں۔ انگریز دور میں اس خاندان کا سرکردہ غلام محمد نامی شخص تھا جس نے صوبیدار یا ذیلدار کی حیثیت سے انگریز فوج سے پنشن حاصل کی تھی۔

(۵) جودھروں کی کملیال شاخ

کملیال بھی جودھروں کی معروف شاخ ہے اور اپنے علاقہ میں انکے چھ سات گاؤں ہیں۔

ڈاہا۔ نون۔ کانجوں۔ جویا وغیرہ

(۶) جودھروں کی لنگڑیال شاخ

یہ شاخ بھی جودھروں کی ہے جو تعداد کے لحاظ سے کم ہے البتہ اس قوم کے بھی اپنے علاقہ میں چند گاؤں آباد ہیں۔

لنگڑیال قوم کے کئی خانوادے موضع کماند ضلع ساہیوال میں بھی آباد ہیں۔ یہ لوگ چنڈی کھیب سے نقل مکانی کرکے کسی زمانے میں ضلع جھنگ میں دریائے بیاس کے کنارے آباد ہوئے تھے۔ بعد میں جب دریائے بیاس خشک ہوگیا تو یہ لوگ موضع کماند میں آکر آباد ہوئے۔ کافی عرصہ تک خانہ بدوشوں جیسی زندگی بسر کرتے رہے اور لوٹ مار پر بھی گزر اوقات کرتے رہے۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے عہد میں ان کے ایک سردار ملک بخش کو جاگیر عطا ہوئی تھی' جبکہ انگریزی دور میں ان کے ایک اور سردار ملک ماچھیا نامی کو تحصیل میلسی ضلع ملتان میں چھچو دمہ اور واڑہ منصور میں کچھ جاگیر ملی تھی۔ اسی قوم کے ایک سردار ملک بہاول کو انگریزی سرکار کی طرف سے خدمات کے صلہ میں موضع شرف میں جاگیر عطا ہوئی تھی۔ انگریز دور میں ملتان کے لنگڑیال خاندان کو بے حد عروج حاصل رہا اور ان کے پاس علاقہ کی کم و بیش ۴۳ ذیلداریاں تھیں 113۔

باگڑی

باگڑی قوم زیادہ تر غیر مسلم ہندوؤں پر مشتمل ہے اور مشرقی پنجاب (ہندوستان) میں آباد ہے تاہم اس کے اکا دکا خاندان مسلمان بھی ہیں جو مغربی پنجاب (پاکستان) میں سکونت رکھتے ہیں۔ اس قوم کا اصل مرکز بیکانیر' سرسہ اور حصار کا علاقہ رہا ہے۔ خصوصاً حصار (ہندوستان) ان کا اصل مرکز و گڑھ رہا ہے۔ اس قوم کے متعلق روایت ہے کہ راٹھور راجپوتوں کی ذیلی شاخ ہے 114۔

ڈاہا

ڈاہے' پنوار راجپوتوں کی نسل سے ہیں۔ ان کے جد امجد کا نام مہاراجہ سدی کھنڈ بتایا جاتا ہے۔ اس قوم کا پنجاب میں قدیم مرکز ریاست بہاولپور' پاک پتن' خانیوال' مظفر گڑھ' ملتان اور اس کے نواحی علاقے رہے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ ان کے جد امجد مہاراجہ سری کھنڈ کا تعلق راجگان ریاست دھار کے خاندان سے تھا۔ مہاراجہ سری کھنڈ کی بیسویں پشت میں سے ایک راجہ دوہج نامی گزرا ہے۔ اس راجہ دوہج کے ایک بیٹے کا نام ڈاہا تھا جو راجپوتوں کی اس شاخ کا بانی بنا۔ تاہم یہ ڈاہا نامی راجہ بے حد قدیم دور کا تھا اور اس کی نسلیں زمانہ دراز تک ہندو دھرم کی پیروکار رہیں' حتیٰ کہ اس کی بیسویں پشت میں سے ایک شخص نے اسلام قبول کیا اور اپنا اسلامی نام تقی خان رکھا۔ اس تقی خان کا دور نامعلوم ہے البتہ تقی خان کی بارہویں پشت میں سے ایک شخص سنگار خان نے ریاست دھار سے نقل مکانی کی اور سب سے پہلے خانیوال میں آکر آباد ہوا یہ غالباً تیرھویں صدی عیسوی کے اوائل کا دور تھا۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ سنگار خان کے اجداد ریاست دھار سے نقل مکانی کرکے سب سے پہلے ریاست بہاول پور میں آباد ہوئے تھے۔ ازاں بعد پاک پتن اور اس کے نواح میں پھیل گئے تھے۔ سنگار خان نے پاک پتن شریف سے نقل مکانی کرکے خانیوال کی سرزمین کو اپنا وطن بنایا تھا۔ سنگار خان کی اولادوں نے خانیوال میں ہمسایہ اقوام کی دست برد سے بچنے کے لئے ایک کچہ قلعہ بھی بنایا تھا جس کے آثار ماضی قریب تک موجود رہے۔ سنگار خان ڈاہا کی اولادیں کئی پشتوں تک خانیوال میں مقیم رہیں اور پھلتی پھولتی رہیں۔ اس دوران اس علاقے کے مکینوں نے کئی اتار چڑھاؤ دیکھے۔ کئی حکومتیں آئیں اور تبدیل ہوئیں تاہم یوں محسوس ہوتا ہے کہ ڈاہا خاندان کے لوگ زیادہ تر مامون و محفوظ اور نسبتاً پر امن زندگی گزارتے رہے۔ مغلیہ عہد میں اس قبیلے کو خاطر خواہ عروج حاصل رہا۔ ملتان پر جب عہد مغلیہ کے آخری زمانہ میں پٹھان حکمران تھے تو اس دور میں ایک ڈاہا سردار حسن خان نامی بڑا اثر و رسوخ کا مالک تھا۔ یہ حسن خان اپنے علاقے کا نامور رئیس تھا۔ اسے حکومت کی طرف سے تعریفی اسناد بھی ملی تھیں۔ جب پنجاب میں سکھوں کا دور دورہ ہوا تو اس وقت ڈاہا قبیلے کا سردار زیارت خان ڈاہا تھا جو حسن خان کا پوتا تھا۔ اس زیارت خان کے ماتحت کوہ مگھالہ' تلنبہ' لڈن اور ٹبی جیسے علاقوں کے کاروار تھے۔ زیارت خان کا نام اس دور کے چوروں اور ڈاکوؤں کو گرفتار کرانے کی وجہ سے
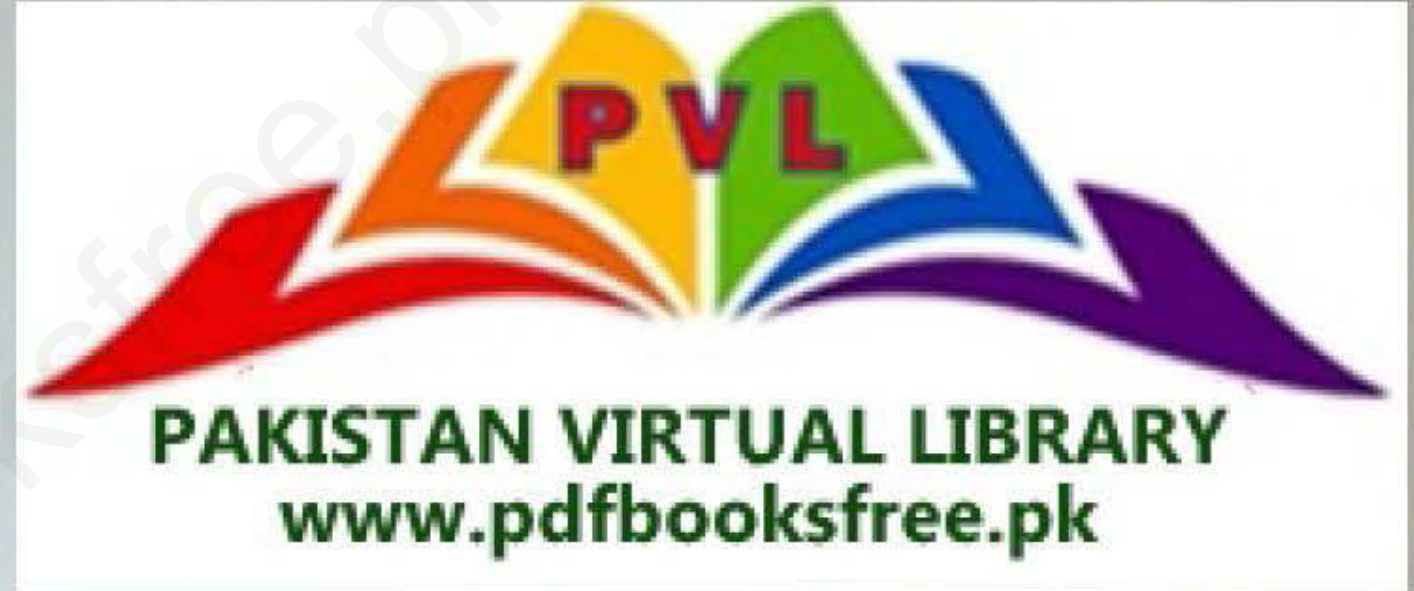
بے حد مشہور ہوا تھا۔ اسے مسروقہ مال کا ایک چوتھائی حصہ بطور انعام حکومت وقت کی جانب سے ملا کرتا تھا۔ علاوہ ازیں سرکار کی جانب سے اسے شیخ ملکا' خانیوال اور خیرپور کی اراضی کے مالیہ میں سے بھی کچھ رقم ملا کرتی تھی۔ اس خاندان کی اسناد سے معلوم ہوتا ہے کہ زیارت خان اپنے دور کا بے حد مقتدر سردار تھا۔ اسے علاقہ خیر پور (واقع ریاست بہاولپور) اور دیگر کئی مقامات پر بھی سرکار کی جانب سے اراضی عطا ہوئی تھی۔ انگریزوں کے دور میں خانیوال کی ڈاہا فیملی کا سردار زیارت خان کا بیٹا خان شاہ محمد خان تھا' جس نے ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں انگریزوں کی خاطر خواہ امداد کی تھی' جس کے صلہ میں اسے ایک عدد تعریفی سند سے نوازا گیا تھا۔ انگریز دور میں یہ ڈویژنل درباری اور ذیلدار بھی بنایا گیا تھا۔ سر رابرٹ منٹگمری نے بھی اسے ایک سند اور ۵۰ روپیہ کا نقد انعام دیا تھا۔ خان شاہ محمد خان کے بعد اس کا ایک بیٹا خان کرم خان ذیلدار بنا تھا۔ جس نے مالاکنڈ اور سرحد کی کئی دیگر لڑائیوں میں انگریز سرکار کی مدد کی تھی' جس کے صلہ میں اسے ۱۹۳۰ء میں دہلی دربار سے ایک سند ملی تھی۔ ازاں بعد اسے اعزازی مجسٹریٹ اور سول جج بنا دیا گیا تھا۔ ۱۹۱۱ء میں رسم تاجپوشی کے موقع پر بھی خان کرم خان ڈاہا کو تعریفی سند عطا ہوئی تھی۔ خان کرم خان کے چار بیٹے تھے جن کے نام زیارت خان' فرید خان' ہیبت خان اور گل محمد خان تھے۔ سب سے بڑا زیارت خان تھا جو باپ کی طرح ذیلدار' اعزازی مجسٹریٹ اور ڈویژنل درباری تھا۔ اس نے جنگ عظیم میں بھی حکومت انگریز کی خدمات سرانجام دی تھیں اور یہ شخص ڈسٹرکٹ اسسٹنٹ ریکروٹنگ آفیسر ضلع مظفر گڑھ مقرر ہوا تھا۔ تاہم اس کا ۱۹۱۸ء میں صرف تیس سال کی عمر میں انتقال ہوگیا تھا۔ اس کا سب سے بڑا لڑکا حق نواز خان تھا جو باپ کی جگہ ذیلدار' ڈویژنل درباری اور میونسپل کمشنر مقرر ہوا تھا۔ یہ شخص بھی صرف ۲۹ سال کی عمر میں فوت ہوگیا تھا اور اس کا بیٹا نشاط احمد خان ذیلدار مقرر کیا گیا تھا۔

خان کرم خان کا دوسرا بیٹا خان فرید خان تھا۔ یہ شخص بھی ڈاہا قوم کا نامور سردار گزرا ہے۔ اس نے بھی انگریز دور میں کافی خدمات انجام دی تھیں اور خصوصاً فلاح عامہ کے کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا۔ اسے سرکار انگریز کی طرف سے خان بہادر کا خطاب بھی ملا تھا۔ فرید خان کے بعد اس کا بیٹا خان عطا محمد خان ڈاہا بھی اس خاندان کا معروف سردار گزرا ہے۔

خان کرم خان کے تیسرے بیٹے خان ہیبت خان نے بھی کافی سرکاری خدمات انجام دی تھیں۔ ۱۹۳۱ء میں اس نے انگریزوں کی بے حد سیاسی مدد کی تھی۔ یہ شخص

پنجاب لیجسلیٹو کونسل کا ممبر ہوا تھا۔ ازاں بعد پنجاب لیجسلیٹو اسمبلی اور ڈسٹرکٹ بورڈ کا بھی ممبر رہا۔ خان کرم خان کا سب سے چھوٹا بیٹا خان گل خان بھی انگریزوں کا ڈسٹرکٹ درباری تھا115۔

نون

قوم نون شجاع آباد و ملتان کے علاوہ مٹھہ ٹوانہ ضلع سرگودھا میں بھی آباد ہے۔ اس قوم کا شمار بھی پنجاب کی سربر آوردہ اقوام میں ہوتا ہے اور پنجاب کی سیاسی تاریخ میں ان کا نمایاں مقام رہا ہے۔

نون اپنے آپ کو گنج نامی راجپوت راجہ کی اولاد بتاتے ہیں۔ تاہم راجہ گنج کے تاریخی حالات کہیں نہیں مل سکے اور نہ ہی یہ معلوم ہوسکا کہ یہ راجہ کس دور میں تھا؟۔ شجاع آباد کے نون خاندانوں کی قومی روایات سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ ان کے مورث اعلیٰ راجہ ددھن نامی تھے جو حضرت مخدوم جہانیاں کے ہاتھ پر اوچ شریف میں اسلام لائے تھے۔ بعض کا خیال ہے کہ جس شخص نے اس قوم میں سے حضرت مخدوم جہانیاں کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا تھا اس کا نام نانوں تھا اور اسی بنا پر یہ قوم نون مشہور ہوئی۔ کہا جاتا ہے کہ اس خاندان کے بزرگ پہلے پہل تھناہ واہن (تھانہ بھون؟) علاقہ سے نقل مکانی کرکے اطراف ملتان میں آکر آباد ہوئے تھے۔ تھانہ بھون انڈیا کے صوبہ یو۔ پی میں ضلع مظفر نگر کا ایک مشہور قصبہ ہے۔ تاہم یہ لوگ کہتے ہیں کہ تھانہ بھون دہلی کے نواح میں ہے' جس کی تصدیق نہیں ہوسکی۔ مغل شاہی دور میں اس خاندان کے بزرگوں نے عروج حاصل کیا تھا اور مغل شہنشاہوں سے رانا کا خطاب بھی حاصل کیا تھا۔ اب تک شجاع آباد کے نون اپنے نام کے ساتھ رانا لکھتے ہیں۔ شجاع آباد کے نون خاندان کی ایک یہ روایت بھی ملتی ہے کہ ان کے خاندان کے چھ بزرگ جن کے نام رانجھا' جنا' علی شیر' لانگا' عمر اور ویلن تھے' کسی لڑائی کے بعد اپنے وطن مالوف سے نکل کر شجاع آباد کے علاقہ میں پناہ گزین ہوئے تھے۔ یہاں کے حاکم وقت کی اجازت سے انہوں نے ایک ویران خطہ کو اپنا مسکن بنایا تھا اور اس مسکن کا نام موضع بنگلہ رکھا تھا۔ بعد میں انہوں نے یہاں بصیر پور' موہن پور' گھوہٹہ' ست برجی' حلال وجہ آباد اور ماڑی نون کے نام سے آباد کئے تھے۔ نواب مظفر خان والئی ملتان کے دور میں ان لوگوں نے دو مزید گاؤں بستی ولو داد' پانوئی' ٹوڈر پور و بستی مٹھو میں بھی آباد ہیں۔ بستی مٹھو کو اس قوم کے ایک شخص

رانا مٹھو نے آباد کیا تھا۔ انگریزی دور میں رانا احمد یار خان اس قوم کے نہایت معزز سردار گزرے ہیں۔ بستی مٹھو کے بانی رانا مٹھو کے تین بیٹے تھے جن کے نام رانا گماں، رانا سوبا زا، اور رانا پیارا بتائے جاتے ہیں۔ ان میں سے رانا گماں مہاراجہ رنجیت سنگھ کے دربار میں خاصہ اثر و رسوخ رکھتے تھے اور ان کی سخاوت و دریادلی بے حد مشہور تھی۔ رانا گماں کی صرف تین بیٹیاں تھیں بیٹا کوئی نہ تھا۔ رانا سوبا زا کا صرف ایک بیٹا رانا احمد یار تھا جبکہ رانا پیارا کے تین لڑکے رانا یار محمد، رانا گل باز اور رانا پلیہ المعروف کریم بخش تھے۔ انگریز دور میں ان لوگوں نے کافی خدمات انجام دی تھیں۔ رانا احمد یار اس خاندان میں سے پہلے ذیلدار بنے تھے اور یہ عہدہ بعد میں اس خاندان میں ہی رہا۔ انگریز دور میں اس خاندان کے رانا محمد حسین بیرسٹر نے کافی نام پیدا کیا تھا۔

رانا احمد یار کے بعد ذیلداری رانا پلیہ کے پاس آئی تھی۔ جبکہ رانا پلیہ کی وفات کے بعد یہ عہدہ رانا محمد حسین کو ملا تھا۔ رانا محمد حسین بھی انگریز دور کے نامور سردار گزرے ہیں اور کافی عہدوں پر انہوں نے کام کیا تھا۔

خاندان نون کی ایک مشہور شاخ مٹھ ٹوانہ ضلع سرگودھا میں آباد ہے۔ یہ لوگ بھی اپنے آپ کو راجہ تیج کی اولاد بتاتے ہیں، نونوں کا یہ خاندان چونکہ عرصہ دراز سے ٹوانوں کے قریب آباد ہے اور ان کی رشتہ داریاں بھی ٹوانوں کے ساتھ رہی ہیں اس لئے کئی لوگ انہیں ٹوانوں ہی کی ایک شاخ سمجھتے ہیں۔ اس قوم کے سرداروں میں سے مہاراجہ رنجیت سنگھ کے عہد میں ملک بخش خان نون اور اس کے بیٹے ملک جہان خان نے کافی نام پیدا کیا تھا۔ یہ مہاراجہ رنجیت سنگھ کی فوج میں ملازم تھے۔ مہاراجہ کی جانب سے چند مواضعات انہیں جاگیر میں بھی ملے تھے۔ تاہم الحاق پنجاب کے وقت یہ مواضعات ضبط کرلئے گئے تھے۔ ان کے ایک سردار ملک فتح خان نے انگریزوں کے دور میں کافی نمایاں خدمات سرانجام دی تھیں اور سرکار سے پنشن پائی تھے۔ ملک فتح خان کے بیٹے ملک محمد حیات خان کو بھی بھیرہ میں اراضی ملی تھی۔ اس خاندان کا ایک بزرگ خان بہادر ملک محمد حاکم خان، ملک فتح شیر خان ٹوانہ کے ساتھ رسالہ میں شامل تھا اور اس نے کئی لڑائیوں میں حصہ لیا تھا۔ خصوصاً حصار، بنگال اور نارنول کی لڑائیوں میں سے کسی ایک میں وہ زخمی بھی ہوا تھا۔ یہ شخص رسالے کا اعلیٰ افسر مانا جاتا تھا اور کافی رعب و دبدبہ کا مالک تھا۔ اس نے پولیس میں بھی خدمات انجام دی تھیں اور بعد میں تحصیلدار بھی رہا تھا۔ ملک حاکم خان کا سب سے بڑا لڑکا ملک شیر محمد خان انگریز دور میں اعزازی مجسٹریٹ تھا 116۔

کانجوں

کانجوں قوم بھی اصل کے اعتبار سے راجپوت ہے اور یہ لوگ نون قوم کے بھائی بند ہیں۔ اس قوم کے زیادہ تر لوگ بھی تحصیل شجاع آباد اور سودھراں میں آباد ہیں۔ نون خاندان کی طرح ان کا بھی یہی دعویٰ ہے کہ ان کے جد امجد کا نام راجہ دودھن تھا۔ کانجوں خاندان کے مورث اعلیٰ کا نام کانجوں تھا۔ جو ہندوستان کے مشہور و معروف راجہ بکرماجیت کی نسل سے تھا۔ شاہان مغلیہ کے دور میں یہ خاندان اطراف دہلی سے نقل مکانی کرکے یہاں آیا تھا اور انہوں نے موضع علی پور کانجوں آباد کیا تھا۔ بعد میں جب ان کی نفری زیادہ ہوگئی تو مختلف مقامات پر آباد ہوتے چلے گئے۔ کافی عرصہ بعد یہ خاندان دو بڑی شاخوں میں تقسیم ہوگیا تھا۔ ایک شاخ تو قوم نون کے نام سے شجاع آباد میں آباد ہوئی تھی جبکہ دوسری شاخ کانجی کہلائی۔ نواب مظفر خان والئی ملتان اور پھر سکھوں کے عہد میں اس خاندان کے پاس کافی اراضی موجود تھی۔ انگریزوں کے دور میں اس قوم کے ایک شخص پناہ محمد خان نے خدمات انجام دی تھیں۔ اس کا لڑکا جمال خان بھی کافی اثر و رسوخ کا مالک تھا۔ جمال خان کے بیٹے جند وڈا خان نے بھی کافی نام کمایا تھا۔ جند وڈا کے دو بیٹے غلام رسول خان اور پیر بخش خان تھے پیر بخش خان ذیلدار تھا اور عوامی فلاح کے کاموں کی وجہ سے بڑی شہرت رکھتا تھا۔ کانجوں قوم میں علی پور کانجوں اور تحصیل لودھراں کے محمد امین خان کانجوں کا خاندان بھی کافی اہمیت کا حامل رہا ہے۔

کانجوں خاندان کی ایک شاخ موضع چوروادہ تحصیل لودھراں میں بھی آباد ہے یہ لوگ رانا درمحمد کی اولادیں ہیں۔ انگریزی عہد میں اس خاندان کے ایک بزرگ رانا حیدر نے نمایاں خدمات انجام دی تھیں۔ رانا حیدر کی وفات کے بعد ان کا بیٹا رانا غلام محمد عرف گانموں نمبردار مقرر ہوا تھا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا رانا خدا بخش کہروڑ کا ذیلدار مقرر ہوا تھا۔ تاہم ۱۹۲۸ء میں اس نے اس ذیلداری سے استعفیٰ دے دیا تھا۔ رانا در محمد اسی خدا بخش کا بیٹا تھا۔ اس خاندان کے لوگ برہان پور، دکھندر گھاڑو اور چوروادہ کے مواضعات میں کافی اراضی رکھتے ہیں۔ اس خاندان کے بزرگوں میں سے ایک شخص عبداللہ نامی نے حضرت ابوبکر وراقؒ کے ہمراہ شہادت پائی تھی جس کا مزار موضع برہان پور میں ہے 117۔

جویا

جویا بھی غالباً راجپوت ہیں۔ اور ان کا تعلق بھی پنوار راجپوتوں کے خاندان سے گروانا جاتا ہے۔ قوم جویا کے لوگ زیادہ تر ملتان' ساہیوال' اور بہاولپور میں آباد ہیں۔ علاوہ ازیں یہ قوم ہندوستان میں بھی خصوصاً فیروز پور' رہتک' بیکانیر اور جیسلمیر کے علاقوں میں کثرت سے آباد ہے۔

کہروڑ تحصیل لودھراں (ملتان) میں جویا قوم مغلیہ دور سے ہی آباد چلی آرہی ہے۔ کہتے ہیں کہ کہروڑ شہر کو کہیر نامی ایک بھٹی سردار نے پہلے پہل اپنے نام سے آباد کیا تھا۔ تاہم مغلیہ عہد میں بھٹیوں نے جب دربار دہلی سے بغاوت کردی تھی تو جویا خاندان کے سرداروں نے اس شہر کو فتح کرلیا تھا۔ اس وقت سے اب تک یہ شہر جویا قوم کے پاس ہے 118 ۔

بھلوٹ

بھلوٹ بھی راجپوتوں کا ایک خاندان ہے اور اس کا نسبی تعلق سورج بنسی پنواروں کے خاندان سے ہے۔ بھلوٹ ان کے مورث اعلیٰ کا نام تھا جو غالباً تغلق کے دور حکومت میں دکن سے نقل مکانی کرکے پنجاب میں آیا تھا اور یہاں آکر وہ گجرات میں متوطن ہوا تھا کئی ماہرین اسے کچھواہیہ راجپوتوں کی ذیلی گوت بھی بتاتے ہیں 119 ۔ بھلوٹ گوجروں میں بھی شامل ہیں۔

بھوملہ یا بھنبلہ

اس قوم کا تعلق بھی پنوار راجپوتوں کے خاندان سے ہے۔ زمانہ ماضی میں اس قوم کا مسکن چتوڑ تھا ان کے ایک جد امجد کی وہاں کے راجہ سے کسی بات پر ناچاقی ہوگئی اور یہ لوگ بر سر مجبوری وہاں سے نقل مکانی کرکے لاہور کے مضافات میں آکر آباد ہوگئے تھے۔ بعد میں ان کا ایک بزرگ نامی اکو چند جہانگیر کے عہد میں مسلمان ہوگیا تھا۔ اور اس کا اسلامی نام عمر بخش رکھا گیا تھا۔ مسلمان ہونے کے بعد یہ قوم صوم و صلوٰۃ کی پابند ہوگئی تھی اور مسجد میں اذان و اقامت کے فرائض انجام دیتی تھی جسکی بنا پر ان کے قدیم گاؤں کا نام موضع ملوانہ مشہور ہوگیا تھا یاد رہے کہ ملوانہ نام کا گاؤں اس قوم نے گجرات میں آباد کیا تھا۔ کئی تاریخوں میں اس قوم کو راجپوتوں کے ایک

راجہ بمبلہ نامی کی اولاد بھی بتایا گیا ہے 120 ۔ بھوملہ گوجروں میں بھی شامل ہیں۔

پھابڑہ۔ پھامیرہ یا پھامبر

یہ قوم بھی ضلع گجرات کے کئی قصبوں میں آباد ہے اور اس کا تعلق بھی مشہور راجپوتوں کے پنوار خاندان سے ہے گجرات میں ایک پھابڑہ نامی گاؤں بھی ان کے نام پر ہے جو اسی قوم کے اجداد نے آباد کیا تھا۔ اس قوم کا قدیم مسکن دکن کا علاقہ تھا جہاں سے یہ لوگ مغل بادشاہوں کے عہد میں نقل مکانی کرکے گجرات آئے تھے 121 ۔ یہ قوم گجر بھی کہلاتی ہے۔

چھالے

گجرات کی ایک چھوٹی سی قوم چھالے بھی پنوار راجپوت ہیں۔ پہلے پہل یہ لوگ دریائے راوی کے کنارے بھی آباد رہے ہیں جبکہ بعد میں یہ جموں و کشمیر کے علاقہ میں چلے گئے تھے۔ ازاں بعد یہ گجرات میں آئے اور وہاں ایک موضع چھالی آباد کیا۔ ان کے جد امجد کا نام راجہ چھالی بتایا جاتا ہے۔ تاہم یہ معلوم نہیں ہوسکا کہ یہ قوم کس دور میں پنجاب میں داخل ہوئی تھی 122 ۔ یہ قوم گوجر بھی کہلاتی ہے۔

دھکڑ

دھکڑ خاندان کے لوگ ضلع گجرات اور گوجرانوالہ میں آباد ملتے ہیں۔ ضلع گجرات میں اس قوم نے ماضی میں کئی قصبے آباد کئے تھے۔ موضع دھکڑانوالی' چیلیانوالی' مٹوانوالہ اور دھول انہیں کے آباد کردہ مواضعات ہیں۔ بے حد اچھے مسلمان ہیں اور دین سے محبت کرنے والے ہیں غالباً یہ پنوار راجپوتوں کی ایک ذیلی شاخ ہے یہ معلوم نہیں ہوسکا کہ یہ لوگ کس دور میں پنجاب میں داخل ہوئے ان کے مورث اعلیٰ کا نام راجہ دھکڑ بتایا جاتا ہے اس راجہ دھکڑ کے حالات کا ہمیں علم نہیں ہوسکا 123 ۔ یہ قوم گوجر بھی کہلاتی ہے۔

ڈوگہ

گجرات میں ایک قوم ڈوگہ بھی آباد ہے جس کا نسلی اعتبار سے پنوار راجپوتوں سے تعلق ہے اس قوم کے مورث اعلیٰ کا نام مسمی ڈوگہ بتایا جاتا ہے۔ اس قوم کی اپنی روایات کے مطابق ان کے اجداد مغل بادشاہ اکبر اعظم کے عہد میں پنجاب آئے تھے۔ اس قوم نے ماضی میں ضلع گجرات میں ایک موضع بھی اپنے نام سے آباد کیا تھا یہ کئی دیگر مواضعات میں بھی آباد ہیں 124 - یہ قوم گوجر بھی کہلاتی ہے۔

قدیم کھتری راجپوت

نائیک

نائیک قبیلہ کے لوگ جموں و کشمیر کے علاوہ سیالکوٹ، گجرات اور لاہور کے اضلاع میں بھی آباد ہیں ان کے متعلق ایک رائے یہ ہے کہ ان کا تعلق ہندوؤں کی برہمن ذات سے ہے لیکن یہ مفروضہ صرف اس کمزور دلیل پر استوار کیا گیا ہے کہ نائیک کے معنی چونکہ دانش ور، منطقی کے ہوتے ہیں اس لئے یہ لوگ برہمن ہیں۔ یہ ضروری نہیں کہ جو شخص منطقی ہو یا علم منطق میں دسترس رکھتا ہو وہ پنڈت بھی ہو۔ اس ضمن میں یہ امر بھی پیش نظر رہے کہ جہاں سنسکرت کی رو سے نائیک کے معنی منطقی کے ہیں وہاں نائیک چھوٹے سردار کے معنوں میں بھی مستعمل ہے۔ فوج میں نائیک ایک باقاعدہ رینک ہے جو نان کمیشنڈ آفیسر کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

نائیک قبیلہ کی اصل کے متعلق درست رائے ویلی آف کشمیر کے مصنف سر لارنس کی ہے جو انہیں ہندوؤں کی قدیم کھتری قوم سے بتاتے ہیں۔ ہمارے نزدیک راجپوت قبائل قدیم کھتریوں سے ہی منہا ہوئے ہیں لہٰذا نائک راجپوت ہیں۔ علاوہ ازیں ان کے ماضی کی تاریخ اور جنگجویانہ فطرت بھی اس امر کی روشن دلیل ہے۔

غالباً اس قوم کا قدیم تعلق کشمیری راجپوتوں سے ہے ۹۲۱ء میں کشمیر میں اس قوم کا کافی زور اور اثر و رسوخ تھا یہ لوگ ہمیشہ حکومت و سلطنت کے معاملات میں دخیل رہے ہیں مغل شہنشاہ اکبر اعظم نے جب ۱۵۸۵ء میں کشمیر پر حملہ کیا تھا تو اس قوم کے ظفر نائیک نامی شخص نے اس کا مقابلہ بڑی دلیری سے کیا تھا اور جنگ میں داد شجاعت دیتے ہوئے کام آیا تھا حالانکہ اس کی قوم کے کئی چوہان عین لڑائی کے موقع پر کشمیری افوج کو دھوکہ دے کر غنیم سے جا ملے تھے۔ [125]

لون

لون قوم کی اصل کشمیر سے بتائی جاتی ہے۔ تاہم نسلی اعتبار سے اس قوم کی اصل کے متعلق مورخین کی مختلف و متضاد آراء ہیں۔ ویلی آف کشمیر کے مصنف سر والٹر لارنس کا کہنا ہے کہ اس قوم کا تعلق ہندوؤں کی قدیم ذات ویش سے ہے جو

تجارت پیشہ تھی۔ اس قوم کی اپنی قومی روایات بتاتی ہیں کہ یہ لوگ پہلے پہل چیلاس سے کشمیر آئے تھے۔ جہاں تک سر والٹر لارنس کی اس رائے کا تعلق ہے کہ یہ قوم ہندوؤں کی ماضی کی مشہور قوم ویش ہے تو اس ضمن میں موصوف کے پاس کوئی دلیل ایسی نہیں ہے جس پر اعتماد کیا جاسکے۔ لون قوم بحیثیت مجموعی کبھی بھی پیشہ تجارت سے وابستہ نہیں رہی بلکہ کشمیر پر لکھی جانے والی قدیم ترین تاریخ پنڈت کلہن کی راج ترنگنی میں بھی اسے ایک جنگجو قوم بتایا گیا ہے۔ ایک ایسی جنگجو و بہادر قوم جس سے اس وقت کا راجہ ہرش دیو (۱۱۰۱ء) بھی خائف رہتا تھا۔ اس راجہ نے لون قوم (جسے راج ترنگنی میں لونیا لکھا گیا ہے) کی افرادی قوت کا بت توڑنے کے لئے اپنے ایک ظالم گورنر نندا کو حکم دے رکھا تھا کہ اس قوم کا کوئی نوجوان زندہ نہ رہنے دیا جائے اور پھر گورنر نندا نے بھی اس قوم پر مظالم کی انتہا کردی۔ کہا جاتا ہے کہ گورنر نندا راجہ ہرش دیو کو خوش کرنے کے لئے اس کے حضور میں لون قبیلہ کے نوجوانوں کے سر کاٹ کر "تحفتہ" پیش کیا کرتا تھا۔ جب راجہ کسی علاقہ میں سرکاری دورہ پر جاتا تو لون قبیلہ کے سرداروں کے سروں کو مصنوعی دیواروں پر لٹکایا جاتا تھا۔

تاہم راجہ ہرش دیو کے ان روح فرسا مظالم کے باوجود لون قوم زندہ و پائندہ رہی اور انہوں نے ڈامران یا ڈانگر نامی قبیلہ کی مدد و اعانت سے راجہ ہرش دیو کو نیست و نابود کردیا۔ اور اس کی جگہ راجہ اوچل نامی کو تخت پر بٹھایا۔

لون قبیلہ کی اصل کے متعلق متذکرہ بالا کہانی اس بات کی روشن دلیل ہے کہ لون قبیلہ کا تعلق بہادر و جنگجو راجپوتوں سے ہے۔ تاہم یہ معلوم نہیں ہوسکا کہ ان کا تعلق راجپوتوں کی کس ذیلی شاخ سے ہے؟ قیاس غالب ہے کہ انکا تعلق بھی قدیم آریائی کھتریوں سے ہے۔

۱۳۴۳ء میں جب کشمیر پر ایک مسلمان فرمانروا سلطان شمس الدین شمیری حکمران تھا تو لون قوم نے (جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئی تھی) سلطان موصوف کی حکومت کو ناکام بنانے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا بغاوت بھی کی لیکن سلطان کے فہم و تدبر اور انتظام و انصرام کی بدولت اس قوم کی بغاوت کامیاب نہ ہوسکی۔ سلطان نے لون طبقہ کے لوگوں کو سلطنت کی کلیدی آسامیوں سے نکال دیا اور یوں اس قوم کی

سرکشی و بغاوت کو مکمل طور پر فرو کردیا۔ اس کے باوجود یہ قوم کشمیر میں بڑے اثر و رسوخ کی حامل سمجھی جاتی رہی ہے۔

لون قوم کب مسلمان ہوئی؟۔ اس بارے میں کوئی حتمی رائے دینا بے حد مشکل ہے۔ خیال ہے کہ حضرت امیر سید علی ہمدانیؒ کے ہاتھ پر اس قوم نے اسلام قبول کیا ہوگا؟ کشمیر و پونچھ کے علاوہ یہ لوگ پنجاب میں بھی آباد ہیں۔ اور آج بھی کافی اثر و رسوخ والے ہیں۔ 126

برباہ

برباہ قبیلہ کے لوگ جالندھر (ہندوستان) کے علاوہ ضلع سیالکوٹ کے علاقہ میں بھی آباد ہیں۔ سیالکوٹ کے برباہ بیان کرتے ہیں کہ وہ چندر بنسی راجپوت ہیں جبکہ جالندھر (انڈیا) کے برباہ اپنی اصل سورج بنسیوں سے بتاتے ہیں۔ اس قبیلہ کے متعلق بھی کوئی مفصل تاریخ نہیں ملتی۔ یہ معلوم بھی نہیں ہو سکا کہ یہ لوگ سورج بنسی یا چندر بنسی راجپوتوں کی کسی ذیلی گوت سے تعلق رکھتے ہیں سیالکوٹ کے برباہ بیان کرتے ہیں کہ ان کے بزرگ یا جد امجد کا نام دول تھا غالباً یہی دول نامعلوم زمانے میں پہلے پہل سیالکوٹ میں آباد ہوا تھا۔ یہ شخص کس علاقہ سے نقل مکانی کرکے آیا تھا؟۔ اس ضمن میں تاریخ کے صفحات خاموش ہیں۔ قیاس غالب ہے کہ برباہ قبیلہ کا تعلق قدیم آریائی کھتری ذات سے ہے۔ 127

گکھڑ

گکھڑ قوم کی اصل کے متعلق ماہرین کی آراء مختلف و متضاد ہیں ہمارے نزدیک اس قوم کی تاریخی اہمیت اس سے کہیں زیادہ ہے کہ یہاں اس کی اصل کے متعلق بحث کی جائے ہم نے گکھڑوں کی تاریخ پوری بسط و کشاد کے ساتھ ایک الگ کتاب کی صورت میں رقم کی ہے۔ قارئین گکھڑ قوم کی مکمل و مربوط تاریخ ہماری ایک دوسری کتاب گکھڑ اور کھوکھر میں ملاحظہ فرماسکتے ہیں۔

کتابیات --- حوالہ جات

حوالہ نمبر	نام کتاب	مصنف	ناشر	صفحہ نمبر
۱	ہندی اردو لغت	راجہ راجیسور راؤ اصغر	مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد۔	۲۷۳
۲	تاریخ پنجاب	سید محمد لطیف	تخلیقات ۲۹ ٹیمپل روڈ لاہور۔	۸۵
۳	تاریخ تمدن ہند	محمد مجیب	گلوب پبلشرز اردو بازار لاہور۔	۴۰
۴	تمدن ہند	ڈاکٹر گستاؤ لی بان (ترجمہ سید علی بلگرامی)	مقبول اکیڈمی شاہ عالم گیٹ لاہور۔	۳۳۳
۵	کتاب الہند	البیرونی (ترجمہ سید اصغر علی)	الفیصل ناشران و تاجران کتب اردو بازار لاہور۔	۳۰۶، ۳۰۷
۶	تمدن ہند	ڈاکٹر گستاؤ لی بان (ترجمہ سید علی بلگرامی)	مقبول اکیڈمی شاہ عالم گیٹ لاہور۔	۲۳۲ تا ۲۵۰
۷	ایضاً	ایضاً	ایضاً	۲۳۲ تا ۲۵۰
۸	ایضاً	ایضاً	ایضاً	۲۳۲ تا ۲۵۰
۹	ایضاً	ایضاً	ایضاً	۲۳۲ تا ۲۵۰
۱۰	ایضاً	ایضاً	ایضاً	۲۳۲ تا ۲۵۰
۱۱	کتاب الہند	البیرونی (ترجمہ سید اصغر علی)	الفیصل ناشران و تاجران کتب اردو بازار لاہور۔	۳۰۶، ۳۰۷
۱۲	تمدن ہند	ڈاکٹر گستاؤ لی بان (ترجمہ سید علی بلگرامی)	مقبول اکیڈمی شاہ عالم گیٹ لاہور۔	۲۳۳، ۲۳۳
۱۳	ایضاً	ایضاً	ایضاً	۲۳۳، ۲۳۳
۱۴	ایضاً	ایضاً	ایضاً	۲۳۲ تا ۲۵۰

نمبر	کتاب	مصنف	ناشر	صفحہ
۱۵	کتاب الہند	البیرونی (ترجمہ سید اصغر علی)	الفیصل ناشران و تاجران کتب اردو بازار لاہور۔	۳۰۶، ۳۰۷
۱۶	تمدن ہند	ڈاکٹر گستاؤ لی بان (ترجمہ سید علی بلگرامی)	مقبول اکیڈمی شاہ عالم گیٹ لاہور۔	۲۳۲ تا ۲۵۰
۱۷	کتاب الہند	البیرونی (ترجمہ سید اصغر علی)	الفیصل ناشران و تاجران کتب اردو بازار لاہور۔	۳۰۶، ۳۰۷
۱۸	تاریخ پنجاب	سید محمد لطیف	تخلیقات ۲۹ ٹیمپل روڈ لاہور۔	۸۳
۱۹	ایضاً	ایضاً	ایضاً	۸۳
۲۰	ایضاً	ایضاً	ایضاً	۸۳
۲۱	تاریخ ایران	محمد حیات	علمی کتاب خانہ اردو بازار لاہور۔	۷
۲۲	ایضاً	ایضاً	ایضاً	۷
۲۳	تاریخ تمدن ہند	محمد مجیب	گلوب پبلشرز ۱۲ اردو بازار لاہور۔	۳۶
۲۴	تاریخ ایران	محمد حیات	علمی کتاب خانہ اردو بازا لاہور۔	۷
۲۵	تذکرہ (پٹھانوں کی اصلیت اور ان کی تاریخ)	خان روشن خان	روشن خان اینڈ کمپنی جونا مارکیٹ کراچی۔	۲۵۸
۲۶	تاریخ پاکستان (قدیم دور)	یحییٰ امجد	سنگ میل پبلی کیشنز لاہور۔	۲۰۹
۲۷	تاریخ تمدن ہند	محمد مجیب	گلوب پبلشرز ۱۲ اردو بازار لاہور۔	۴۶، ۴۷
۲۸	تمدن ہند	ڈاکٹر گستاؤ	مقبول اکیڈمی شاہ	

نمبر	کتاب	مصنف	ناشر	صفحہ
		لی بان (ترجمہ سید علی بلگرامی)	عالم گیٹ لاہور۔	۲۰۹
۲۹	تاریخ پنجاب	سید محمد لطیف	تخلیقات ۲۹ ٹیمپل روڈ لاہور۔	۸۳
۳۰	ایضاً	ایضاً	ایضاً	۸۷
۳۱	تمدن ہند	ڈاکٹر گستاؤ لی بان (ترجمہ سید علی بلگرامی)	مقبول اکیڈمی شاہ عالم گیٹ لاہور۔	۲۱۰
۳۲	ماضی کے مزار	سبط حسن	مکتبہ دانیال عبداللہ ہارون روڈ کراچی۔	۱۷۱
۳۳	تمدن ہند	ڈاکٹر گستاؤ لی بان (ترجمہ سید علی بلگرامی)	مقبول اکیڈمی شاہ عالم گیٹ لاہور۔	۲۱۰
۳۴	شاہان گوجر	ابو البرکات مولوی عبدالمالک خان صاحب (بحوالہ تاریخ راجستان کرنل ٹاڈ)	انجمن مرکزیہ گوجراں لاہور۔	۲۰۲، ۲۰۳
۳۵	گزیٹیئر اٹک ڈسٹرکٹ (۱۹۳۰ء)	سی سی گاربٹ	سنگ میل پبلی کیشنز لاہور۔	۳۳
۳۶	پاکستان میں میں تہذیب کا ارتقاء	سبط حسن بحوالہ پروفیسر بدھ پرکاش	مکتبہ دانیال عبداللہ ہارون روڈ کراچی۔	۳۲، ۳۳
۳۷	تاریخ فرشتہ	محمد قاسم فرشتہ	شیخ غلام علی	

	جلد اول	(ترجمہ عبد الحی خواجہ ایم اے)	اینڈ سنز لاہور۔	۴۸
۳۸	ایضاً	ایضاً	ایضاً	۴۸، ۴۹
۳۹	ایضاً	ایضاً	ایضاً	۴۹
۴۰	ایضاً	ایضاً	ایضاً	۴۹
۴۱	ایضاً	ایضاً	ایضاً	۴۹
۴۲	ایضاً	ایضاً	ایضاً	۴۹
۴۳	ایضاً	ایضاً	ایضاً	۶۱، ۶۲
۴۴	ایضاً	ایضاً	ایضاً	۶۱، ۶۲
۴۵	ایضاً	ایضاً	ایضاً	۶۲
۴۶	ایضاً	ایضاً	ایضاً	۶۲
۴۷	ایضاً	ایضاً	ایضاً	۶۲ تا ۶۶
۴۸	ایضاً	ایضاً	ایضاً	۶۶
۴۹	ایضاً	ایضاً	ایضاً	۶۶
۵۰	ایضاً	ایضاً	ایضاً	۶۸
۵۱	ایضاً	ایضاً	ایضاً	۶۹
۵۲	ایضاً	ایضاً	ایضاً	۶۹
۵۳	ایضاً	ایضاً	ایضاً	۷۰
۵۴	ایضاً	ایضاً	ایضاً	۹۱
۵۵	ایضاً	ایضاً	ایضاً	۱۰۲
۵۶	ایضاً	ایضاً	ایضاً	۱۰۵
۵۷	ایضاً	ایضاً	ایضاً	۱۱۰، ۱۱۱
۵۸	ایضاً	ایضاً	ایضاً	۱۳۲
۵۹	ایضاً	ایضاً	ایضاً	۱۳۵
۶۰	ایضاً	ایضاً	ایضاً	۲۱۹

۶۱	تمدن ہند	ڈاکٹر گستاؤ لی بان (ترجمہ سید علی بلگرامی)	مقبول اکیڈمی شاہ عالم گیٹ لاہور۔	۱۳۹
۶۲	ایضاً	ایضاً	ایضاً	۱۳۹
۶۳	تاریخ فرشتہ جلد اول	محمد قاسم فرشتہ (ترجمہ عبد الحی خواجہ ایم اے)	شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور۔	۷۳ تا ۷۸
۶۴	آئین اکبری جلد اول	علامہ ابو الفضل (ترجمہ مولوی محمد فدا علی صاحب طالب)	سنگ میل پبلی کیشنز لاہور۔	۱۰۰۸ تا ۱۰۱۱
۶۵	ایضاً	ایضاً	ایضاً	۸۹۹ تا ۹۰۸
۶۶	ایضاً	ایضاً	ایضاً	۱۰۰۸

۶۷ چب راجپوتوں کے متعلق معلومات کا ماخذ حسب ذیل کتب ہیں :-

i- تذکرہ رؤسائے پنجاب جلد اول، دوم از سر لیپل ایچ گریفن۔ (ترجمہ سید نوازش علی)۔ سنگ میل پبلی کیشنز لاہور۔

ii- تواریخ اقوام پونچھ از محمد الدین فوق۔ ویری ناگ پبلشرز میرپور آزاد کشمیر۔

iii- تواریخ اقوام کشمیر جلد اول، دوم از محمد الدین فوق۔ ویری ناگ پبلشرز میرپور آزاد کشمیر۔

iv- ڈسٹرکٹ گزیٹیرز جہلم، راولپنڈی، اٹک۔ سنگ پبلی کیشنز لاہور۔

۶۸ ڈوگر قوم کے متعلق معلومات کا ماخذ حسب ذیل کتب ہیں :-

i- تواریخ اقوام کشمیر جلد اول، دوم از محمد الدین فوق۔ ویری ناگ پبلشرز میر آزاد کشمیر۔

-ii تواریخ اقوام پونچھ از محمد الدین فوق۔ ویری ناگ پبلشرز میرپور آزاد کشمیر۔

-iii گزیٹیر جموں و کشمیر۔ سنگ میل پبلی کیشنز اردو بازار لاہور۔

-iv تاریخ لاہور از کنہیا لال ہندی۔ مجلس ترقی ادب لاہور۔

-v تاریخ پنجاب از کنہیا لال ہندی۔ مجلس ترقی ادب لاہور۔

-v تاریخ پنجاب از سید محمد لطیف۔ تخلیقات ٹیمپل روڈ لاہور۔

-vi تحقیقات چشتی از نور احمد چشتی۔ الفیصل ناشران و تاجران کتب اردو بازار لاہور۔

-viii پنجاب کاسٹس از ڈینزل ایبٹ سن۔ شیخ مبارک علی لوہاری گیٹ لاہور۔

۶۹ تا ۸۴ ان اقوام کے متعلق معلومات کا ماخذ حسب ذیل کتب ہیں :۔

-i ڈسٹرکٹ گزیٹیرز گوجرانوالہ' سیالکوٹ' گجرات' جہلم' منٹگمری (ساہیوال)۔ سنگ میل پبلی کیشنز اردو بازار لاہور۔

-ii تاریخ پنجاب از سید محمد لطیف۔ تخلیقات ٹیمپل لاہور۔

-iii آئین اکبری جلد اول' دوم' سوم از ابو الفضل (ترجمہ مولوی محمد فدا علی صاحب) سنگ میل پبلی کیشنز لاہور۔

-iv تاریخ لاہور از کنہیا لال ہندی۔ مجلس ترقی ادب لاہور۔

-v تاریخ پنجاب از کنہیا لال ہندی۔ مجلس ترقی ادب لاہور۔

-vi تواریخ اقوام پونچھ از محمد الدین فوق۔ ویری ناگ

پبلشرز میرپور آزاد کشمیر۔

-vii تواریخ اقوام کشمیر جلد اول' دوم از محمد الدین فوق۔ ویری ناگ پبلشرز میرپور آزاد کشمیر۔

-viii تحقیقات چشتی از نور احمد چشتی۔ الفیصل ناشران و تاجران کتب اردو بازار لاہور۔

حوالہ نمبر	نام کتاب	مصنف	ناشر	صفحہ نمبر
۸۵	آئین اکبری جلد دوم	ابو الفضل (ترجمہ مولوی محمد فدا علی)	سنگ میل پبلی کیشنز لاہور۔	۸۹۹ تا ۹۰۱
۸۶	تحقیقات چشتی	نور احمد چشتی	الفیصل ناشران و تاجران کتب اردو بازار لاہور۔	۹۲۲
۸۷	ایضاً	ایضاً	ایضاً	۹۲۲ تا ۹۲۶
۸۸	آئین اکبری جلد دوم	علامہ ابو الفضل (ترجمہ مولوی محمد فدا علی)	سنگ میل پبلی کیشنز لاہور۔	۸۹۹ تا ۹۰۱
۸۹	تاریخ فرشتہ جلد اول	محمد قاسم فرشتہ (ترجمہ عبد الحئی خواجہ ایم اے)	شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور۔	۷۲' ۷۳
۹۰	ایضاً	ایضاً	ایضاً	۷۳
۹۱	شاہان گوجر	ابو البرکات مولوی عبدالمالک خان صاحب	انجمن مرکزیہ گوجراں لاہور۔	۲۸۲
۹۲	ایضاً	ایضاً	ایضاً	۲۸۲
۹۳	تاریخ فرشتہ جلد اول	محمد قاسم فرشتہ (ترجمہ عبد الحئی خواجہ ایم اے)	شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور۔	۲۱۰' ۲۱۱

۹۴ تا ۱۰۵ ان اقوام کی تاریخ سے متعلق معلومات کا ماخذ حسب ذیل کتب ہیں :۔

-i ڈسٹرکٹ گزیٹیرز شاہ کوٹ' جھنگ' ملتان' منٹگمری (ساہیوال)۔ سنگ پبلی کیشنز لاہور۔

-ii مرقع مولتان از سید محمد اولاد علی گیلانی۔ جاذب پبلشرز لاہور۔

iii- تذکرہ روسائے پنجاب جلد اول، دوم از لیپل ایچ گریفن (ترجمہ سید نوازش علی)۔ سنگ میل پبلی کیشنز اردو بازار لاہور۔

iv- آئین اکبری جلد سوم از علامہ ابو الفضل (ترجمہ مولوی محمد فدا علی صاحب طالب)۔ سنگ میل پبلی کیشنز اردو بازار لاہور۔

v- تواریخ اقوام پونچھ از محمد الدین فوق۔ ویری ناگ پبلشرز میرپور آزاد کشمیر۔

vi- شاہان گوجر از ابو البرکات مولوی عبدالمالک خان صاحب۔ انجمن مرکزیہ گوجراں لاہور۔

vii- پنجاب کاسٹس از سر ڈینزل ایبٹ سن۔ شیخ مبارک علی اورینٹل پبلشرز، اندرون لوہاری گیٹ لاہور۔

viii- تواریخ اقوام کشمیر از محمد الدین فوق۔ ویری ناگ پبلشرز میرپور آزاد کشمیر۔

ix- تحقیقات چشتی از مولوی نور احمد چشتی۔ الفیصل ناشران و تاجران کتب اردو بازار لاہور۔

۱۰۶	تاریخ فرشتہ جلد اول	محمد قاسم فرشتہ (ترجمہ عبدالحئی خواجہ ایم اے)	شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور۔	۷۳ تا ۷۵
۱۰۶	تاریخ فرشتہ جلد اول	محمد قاسم فرشتہ	شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور۔	۷۳ تا ۷۵

۱۰۷ راٹھور قوم کے متعلق معلومات کا ماخذ حسب ذیل کتب ہیں:۔

i- ڈسٹرکٹ گزیٹیئرز راولپنڈی، جہلم، گجرات، گوجرانوالہ، سیالکوٹ، لاہور، جموں و کشمیر۔ سنگ میل پبلی کیشنز لاہور۔

ii- تذکرہ روسائے پنجاب جلد اول، دوم از لیپل ایچ

گریفن (ترجمہ سید نوازش علی)۔ سنگ میل پبلی کیشنز اردو بازار لاہور۔

iii- آئین اکبری جلد سوم از علامہ ابو الفضل (ترجمہ مولوی محمد فدا علی صاحب طالب)۔ سنگ میل پبلی کیشنز اردو بازار لاہور۔

iv- شاہان گوجر از ابو البرکات مولوی عبدالمالک خان صاحب۔ انجمن مرکزیہ گوجراں لاہور۔

v- تواریخ اقوام کشمیر جلد اول، دوم از محمد الدین فوق۔ ویری ناگ پبلشرز میرپور آزاد کشمیر۔

vi- تواریخ اقوام پونچھ از محمد الدین فوق۔ ویری ناگ پبلشرز میرپور آزاد کشمیر۔

vii- پنجاب کاسٹس از سر ڈینزل ایبٹ سن۔ شیخ مبارک علی لوہاری گیٹ لاہور۔

۱۰۸ جنجوعہ قوم سے متعلق معلومات کا ماخذ حسب ذیل کتب ہیں:۔

i- ڈسٹرکٹ گزیٹیئرز اٹک، راولپنڈی، جہلم۔ سنگ میل پبلی کیشنز اردو بازار لاہور۔

ii- تواریخ اقوام پونچھ از محمد الدین فوق۔ ویری ناگ پبلشرز میرپور آزاد کشمیر۔

iii- تذکرہ روسائے پنجاب از لیپل ایچ گریفن (ترجمہ سید نوازش علی)۔ سنگ میل پبلی کیشنز اردو بازار لاہور۔

iv- تواریخ اقوام کشمیر جلد اول، دوم از محمد الدین فوق۔ ویری ناگ پبلشرز میرپور آزاد کشمیر۔

v- پنجاب کاسٹس از سر ڈ-نزل ایبٹ سن۔ شیخ مبارک علی لوہاری گیٹ لاہور۔

۱۰۹ تا ۱۱۴ ان اقوام سے متعلق معلومات کا ماخذ حسب ذیل کتب ہیں:۔

i- ڈسٹرکٹ گزیٹیئرز اٹک، راولپنڈی، ہزارہ، جہلم جموں و کشمیر۔ سنگ میل پبلی کیشنز اردو بازار لاہور۔

ii- تواریخ اقوام کشمیر جلد اول، دوم از محمد الدین فوق۔ ویری ناگ پبلشرز میرپور آزاد کشمیر۔

iii- تواریخ اقوام پونچھ از محمد الدین فوق۔ ویری ناگ پبلشرز میرپور آزاد کشمیر۔

iv- تذکرہ روسائے پنجاب جلد اول، دوم از سر لیپل ایچ گریفن (ترجمہ سید نوازش علی)۔ سنگ میل پبلی کیشنز اردو بازار لاہور۔

v- پنجاب کاسٹس از سر ڈینزل ایبٹ سن۔ شیخ مبارک علی لوہاری گیٹ لاہور۔

vi- مرقع ملتان از سید محمد اولاد علی گیلانی۔ جاذب پبلشرز لاہور۔

۱۱۵ تا ۱۲۴ ان اقوام کی تاریخ سے متعلق معلومات کا ماخذ حسب ذیل کتب ہیں:۔

i- ڈسٹرکٹ گزیٹیئرز شاہ کوٹ، جھنگ، ملتان، منٹگمری (ساہیوال)۔ سنگ میل پبلی کیشنز لاہور۔

ii- مرقع ملتان از سید محمد اولاد علی گیلانی۔ جاذب پبلشرز لاہور۔

iii- تذکرہ روسائے پنجاب جلد اول، دوم از لیپل ایچ گریفن (ترجمہ سید نوازش علی)۔ سنگ میل پبلی کیشنز اردو بازار لاہور۔

iv- آئین اکبری جلد سوم از علامہ ابو الفضل (ترجمہ مولوی محمد فدا علی صاحب طالب)۔ سنگ میل پبلی کیشنز اردو بازار لاہور۔

v- تواریخ اقوام پونچھ از محمد الدین فوق۔ ویری ناگ

پبلشرز میرپور آزاد کشمیر۔

vi- شاہان گوجر از ابو البرکات مولوی عبدالمالک خان صاحب۔ انجمن مرکزیہ گوجراں لاہور۔

vii- پنجاب کاسٹس از سر ڈینزل ایبٹ سن۔ شیخ مبارک علی اورینٹل پبلشرز، اندرون لوہاری گیٹ لاہور۔

viii- تواریخ اقوام کشمیر از محمد الدین فوق۔ ویری ناگ پبلشرز میرپور آزاد کشمیر۔

ix- تحقیقات چشتی از مولوی نور احمد چشتی۔ الفیصل ناشران و تاجران کتب اردو بازار لاہور۔

۱۲۵ تا ۱۲۷ ان اقوام سے متعلق معلومات کا ماخذ حسب ذیل کتب ہیں:۔

i- ڈسٹرکٹ گزیٹیئرز اٹک، راولپنڈی، ہزارہ، جہلم، جموں و کشمیر۔ سنگ میل پبلی کیشنز اردو بازار لاہور۔

ii- تواریخ اقوام کشمیر جلد اول، دوم از محمد الدین فوق۔ ویری ناگ پبلشرز میرپور آزاد کشمیر۔

iii- تواریخ اقوام پونچھ از محمد الدین فوق۔ ویری ناگ پبلشرز میرپور آزاد کشمیر۔

iv- تذکرہ روسائے پنجاب جلد اول، دوم از سر لیپل ایچ گریفن (ترجمہ سید نوازش علی)۔ سنگ میل پبلی کیشنز اردو بازار لاہور۔

v- پنجاب کاسٹس از سر ڈینزل ایبٹ سن۔ شیخ مبارک علی لوہاری گیٹ لاہور۔

vi- مرقع ملتان از سید محمد اولاد علی گیلانی۔ جاذب پبلشرز لاہور۔

غلام اکبر ملک کی دیگر کتابیں

- ○ پنجاب کے جاٹوں کی تاریخ —/۱۰۰
- ○ بھٹی اور بٹ (راجہ سالباہن کی اولادیں) —/۱۰۰
- ○ راجپوت (تاریخ کے آئینے میں) —/۱۵۰
- ○ گکھڑ اور کھوکھر —/۱۲۰
- ○ پنجاب کے مغل قبائل —/۱۲۰
  (تاریخ کے آئینے میں)
- ○ اعوانوں کی تاریخ —/۱۲۵
- ○ گجر قوم کی تاریخ —/۱۰۰
- ○ پاکستان کی سیاہ فام اقوام —/۱۰۰
- ○ نیازی قبیلے کی داستان —/۱۰۰
  (از ضحاک شاہ ایران تا کرکٹر عمران خان)
- ○ بلوچ قبائل (زیر طبع) از غلام اکبر ملک
  (تاریخ کے آئینے میں)
- ○ افغان اور کشمیری (زیر طبع) از غلام اکبر ملک
  (قوم اسرائیل کے باقیات)
- ○ ارائیں قبیلے کی تاریخ (زیر طبع) از غلام اکبر ملک
- ○ قریشی اور سید (زیر طبع) از غلام اکبر ملک
  (پاکستان میں آباد عرب خاندان)

از میخائل نسطورخ —/۱۰۰
اردو ترجمہ نور محمد خان رازی

- ○ پاکستان کے لوگ (زیر طبع) از یو۔وی۔ گنکووسکی
  (نسلی تاریخ) اردو ترجمہ نور محمد خان رازی

بک سٹال سے حاصل کریں یا ہم سے طلب فرمائیں۔

العقاب پبلی کیشنز جلیل سنٹر ۲۳۱ سرکلر روڈ نزد چوک اردو بازار لاہور۔

مصنف : غلام اکبر ملک